دسمبر ۱۹۹۰ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

نظامِ مصطفیٰؐ کے نفاذ کا مصطفوی طریق!

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا فکر انگیز خطاب

یکے از مطبوعات

تنظیم اسلامی

گھی دُودھ سے حاصل کردہ چکنائی کو کہتے ہیں اس کے علاوہ کسی دوسری چکنائی
کو گھی نہیں کہا جا سکتا بلکہ وہ تو مختلف اقسام کے تیل ہیں جو گھی کے نام پر فروخت ہوتے ہیں

قدرتی طور پر وٹامن اے اور ڈی سے بھرپور

دیسی گھی کا بہترین تحفہ

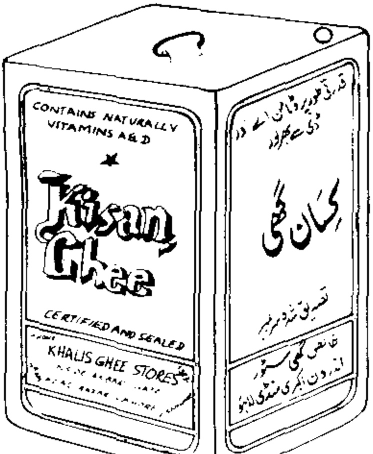

کسان گھی

آپ کا آزمودہ

متبادل چکنائیوں کی نسبت زود ہضم اور لذیذ

پنجاب کے دیہاتوں سے حاصل کردہ
خوش رنگ قدرتی خوشبو کے ساتھ

ایک کلو، ۲½ کلو، ۴½ کلو اور ۱۶ کلو کے سربمہر ٹن کے ڈبوں میں پیک شدہ

پیکرز: خالص گھی سٹورز
آزاد بازار
اکبری منڈی لاہور ۸

فون: ۵۳۸۳۱ — ۲۵۲۸۵۲

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖۤ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اس میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی

جلد: ۳۹

شمارہ: ۱۲

جمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ھ

دسمبر ۱۹۹۰ء

فی شمارہ ۵/-

سالانہ زرِ تعاون ۵۰/-

ماہنامہ میثاق لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

SUBSCRIPTION RATES OVERSEAS

U S A US $ 12/=
c/o Dr Khursid A. Malik
SSQ 810 73rd street
Downers Grove IL 60516
Tel : 312 969 6755

c/o Mr. Rashid A. Lodhi
SSQ 14461 Maisano Drive
Sterling Hgts MI 48077
Tel : 313 977 8081

CANADA US $ 12/=
c/o Mr. Anwar H. Qureshi
SSQ 323 Rusholme Rd # 1809
Toronto Ont M6H 2 Z 2.
Tel : 416 531 2902

UK & EUROPE US $ 9/=
c/o Mr. Zahur ul Hasan
18 Garfield Rd Enfield
Middlessex EN 34 RP
Tel : 01 805 8732

MID-EAST DR 25/=
c/o Mr. M. Ashraf Faruq
JKQ P.O. Box 27628
Abu Dhabi
Tel : 479 192

INDIA US $ 6/=
c/o Mr. Hyder M. D. Ghauri
AKOI 4-1-444, 2nd Floor
Bank St Hyderabad 500 001
Tel : 42127

K S A SR 25/=
c/o Mr. M. Rashid Umar
P O. Box 251
Riyadh 11411
Tel : 476 8177

JEDDAH (only) SR 25/=
IFTIKHAR-UD-DIN
Manarah Market,
Hayy-ul-Aziziyah,
JEDDAH.
TEL: 6702180

D.D./Ch. To, Maktaba Markazi Anjuman Khudam ul Quran Lahore.
U B L Model Town Ferozpur Rd Lahore.

ادارہ تحریر

شیخ جمیل الرحمٰن

حافظ عاکف سعید

حافظ خالد محمود خضر

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقامِ اشاعت: ۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۵۴۷۰۰۔ فون: ۸۵۶۰۰۳-۸۵۶۰۰۴

سب آفس: ۱۱۔ داؤد منزل نزد آرام باغ شاہراہ لیاقت کراچی۔ فون: ۲۱۶۵۸۶

پبلشرز: لطف الرحمٰن خان طابع: رشید احمد چودھری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

• عرضِ احوال ______ ۳

عاکف سعید

• تذکرہ وتبصرہ ______ ۷

نظامِ مصطفیٰؐ کے نفاذ کا مصطفوی طریق

امیرِ تنظیم اسلامی کا ایک فکر انگیز خطاب

• الہدیٰ — (قسط ۱۷) ______ ۳۳

سورۃ الصّف — جہاد و قتال فی سبیل اللہ کے ضمن میں جامع ترین سورۃ (۴)

ڈاکٹر اسرار احمد

• اِسلام سے خوف ______ ۴۵

احمد الدین مارہروی

• گناہ کبیرہ کیا ہے ؟ ______ ۵۴

زیرِ طبع کتاب کی قسط دوم

ابوعبد الرّحمٰن شبیر بن نور

• ایمان اور اسلام کا فرق ______ ۶۱

امام ابنِ تیمیہؒ کی کتاب 'الایمان' کی ایک فصل کا ترجمہ

مترجم : خالد محمود خضر

• افکار و آراء ______ ۶۶

★ مسئلہ مزارعت کے بارے میں قاضی عبدالکریم مدظلہ کی رائے

★ سرزمینِ حرم میں 'رجوع الی القرآن' کا ایک مظہر

مولانا محمّد عبد الملک جامعی کا مکتوب

• رفتارِ کار ______ ۷۲

راولپنڈی میں تنظیم اسلامی کے زیرِ اہتمام جلسۂ عام

مرتّب : محمّد نیاز مرزا

• امیر تنظیم اسلامی کے خطاباتِ جمعہ کے پریس ریلیز ______ ۷۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ احوال

۲۹ر نومبر کو حسبِ اعلان تنظیم اسلامی کے زیرِ اہتمام سرگودھا میں جلسۂ عام منعقد ہوا۔ اِس سے قبل ۱۴ر تاریخ کو راولپنڈی میں رفقاءِ تنظیم کی کوششوں سے ایک بھرپور جلسۂ عام کا انعقاد عمل میں آ چکا ہے[1] حسبِ سابق اِن دونوں جلسوں میں مرکزی خطاب امیرِ تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب ہی کا تھا ——— قبل ازیں لاہور، پشاور اور کوئٹہ میں بھی ایسے پروگرام منعقد کیے جا چکے ہیں اور ہر سہ مقامات پر امیرِ تنظیم ہی مرکزی مقرر تھے۔ یہ جلسے، جیسا کہ قارئین کے علم میں ہے، عوامی سطح پر تنظیم اسلامی کے تعارف کی ابتدائی کوشش کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اِس اعتبار سے انہیں عوام میں تنظیم اسلامی کا پہلا باقاعدہ EXPOSURE قرار دینا غلط نہ ہوگا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ہر بڑے شہر میں جلسے سے خطاب کے لیے امیرِ تنظیم اسلامی ہی کو زحمت دی گئی ——— امیرِ محترم کے خطاب کا موضوع قریباً ہر جگہ یکساں رہا۔ لاہور میں جلسے کے لیے خطاب کا عنوان 'نظامِ مصطفےٰؐ کے نفاذ کا مصطفوی طریق' تجویز کیا گیا تھا۔ معمولی سے لفظی تغیّر کے ساتھ یہی عنوان ہر جگہ خطاب کا موضوع بنتا رہا۔ اِن خطابات میں امیرِ تنظیم اسلامی نے انقلابِ نبویؐ کے چھ مراحل کو ایک نئے انداز میں دو جامع اصطلاحات یعنی 'جہاد بالقرآن' اور 'جہاد بالقوۃ' کے حوالے سے بیان کیا۔

امیرِ محترم کے لیے اِس موضوع پر خطاب کا یہ کوئی پہلا موقع نہ تھا۔ اس سے قبل بارہا آپ نے اس موضوع پر تفصیل سے اظہارِ خیال فرمایا ہے بلکہ امیرِ تنظیم کے گیارہ خطابات پر مشتمل ایک ضخیم کتاب 'منہج انقلابِ نبوی' کی طباعت کو بھی اب چار برس ہونے کو آتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ۲۴ر اکتوبر کو لاہور میں ہونے والے جلسۂ عام کے بعد معاصر 'نوائے وقت' کے ایک کالم نگار نے 'سر راہے' میں جلسے پر تبصرہ

---

[1] اِس جلسے کی ایک مختصر رپورٹ اسی شمارے میں شامل ہے۔

کرتے ہوئے جب یہ الزام لگایا کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنے خطاب میں اور تو سب کچھ بتایا لیکن اصل موضوع یعنی انقلاب کے مصطفوی طریق پر کوئی روشنی نہیں ڈالی، بلکہ موصوف نے یہ دعویٰ بھی کیا کہ ڈاکٹر صاحب نے آج تک اس موضوع کو کبھی وضاحت سے بیان ہی نہیں کیا، تو امیر تنظیم اسلامی کے ساتھ ساتھ اُن کے رفقاء و احباب کو بھی مدیر سرِ راہے کی اس مغالطہ آمیزی اور اس تجاہلِ عارفانہ پر شدید حیرت ہوئی کہ "جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے، باغ تو سارا جانے ہے!" کے مصداق جس بات سے سارا جہاں واقف ہے اور جو امیر تنظیم کی پہچان بن چکی ہے، فاضل کالم نگار اُسی سے عدمِ واقفیت کا اظہار فرما رہے ہیں! —— ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے! —— چنانچہ ۲ / نومبر کے خطابِ جمعہ میں امیرِ تنظیم نے مدیرِ سرِ راہے کی اس مغالطہ انگیزی کو افسوسناک قرار دیتے ہوئے اسلامی انقلاب کے طریقِ کار کو نہایت واضح، دو ٹوک اور واشگاف الفاظ میں شرکاء اجتماع جمعہ کے سامنے رکھا۔ اس اہم خطاب کو مرتب کر کے ضروری حک و اضافے کے ساتھ اسی شمارے میں شائع کیا جا رہا ہے۔

قرآن کالج میں ایف اے کلاس کا آغاز ۱۹۸۹ء میں کیا گیا تھا۔ پیشِ نظر یہ تھا کہ میٹرک پاس طلبہ کو کُل چار سالوں میں نہ صرف یہ کہ گریجویشن کرا دی جائے گی بلکہ ساتھ ہی ساتھ دینی تعلیم کا ایک معیّن نصاب بھی مکمل کرا یا جائے گا —— دینی تعلیم کی تدریس کے لیے ہم اُس اضافی وقت کو اپنے کام میں لانا چاہتے تھے جو عام کالجوں میں کئی کئی ماہ کی مسلسل چھٹیوں اور بے قاعدہ پڑھائی کے سبب سے ضائع ہو جاتا ہے —— ہمیں اپنی اس اسکیم میں گو ابھی تک مطلوبہ درجے کی کامیابی حاصل نہیں ہوئی ہے تاہم اس معاملے میں ہم نااُمید بھی نہیں ہیں۔ اللہ کا شکر و احسان ہے کہ ہماری کوششیں بتدریج بار آور ہو رہی ہیں —— ابھی حال ہی میں انٹرمیڈیٹ بورڈ کے ایک فیصلے کے باعث ہمیں ایک نئی اور پیچیدہ صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ بورڈ نے فیصلہ کیا ہے کہ فرسٹ ایئر اور سیکنڈ ائیر کا یکجا دوسرے سال امتحان لینے کے بجائے بورڈ ہر سال فرسٹ ایئر اور سیکنڈ ایئر کا الگ الگ امتحان لے گا —— یہ نیا فیصلہ اگرچہ بعض اعتبارات سے خوش آئند ہے لیکن ہماری تعلیمی پالیسی کے

ساتھ کچھ زیادہ موافقت نہیں رکھتا۔ اس صورتِ حال سے بحسن و خوبی عہدہ برآ ہونے کے لیے قرآن کالج کی انتظامیہ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ آئندہ سال فرسٹ ایر میں داخلوں کے لیے میٹرک کے رزلٹ نکلنے کا انتظار نہیں کیا جائے گا بلکہ میٹرک کے امتحانات کے خاتمے کے فوراً بعد قرآن کالج میں طلبہ کو فرسٹ ایر میں داخلہ دے دیا جائے گا۔ تاکہ فرسٹ ایر کی مناسب تیاری کے لیے مزید وقت میسّر آسکے ـــــ میٹرک کا رزلٹ نکلنے پر جو طلبہ امتحان میں کامیاب قرار پائیں گے، اُن کے قرآن کالج میں داخلے برقرار رہیں گے اور جو طلبہ ناکام ہو جائیں گے، اُن کے داخلے ازخود ساقط ہو جائیں گے۔ تاہم یہ خیال کرنا مناسب نہ ہوگا کہ ان ناکام طلبہ کا یہ تمام وقت رائیگاں اور اکارت جائے گا! ـــ ان دو تین ماہ کے دوران یہ طلبہ بھی کچھ نہ کچھ حاصل کرکے قرآن کالج سے رخصت ہوں گے ـــــ داخلوں کے لیے معیّن تاریخ کا اعلان تو آئندہ اشاعت ہی میں کیا جا سکے گا، تاہم رفقاء و احباب سے گزارش ہے کہ وہ مذکورہ بالا امور کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ابھی سے فرسٹ ایر کے داخلوں کے لیے طلبہ کو ذہناً تیار کرنے کی تگ و دو شروع کر دیں۔ اس معاملے میں ہم اپنے احباب کے تعاون کی شدید ضرورت محسوس کرتے ہیں!

امیرِ تنظیم اسلامی کو دسمبر کے پہلے ہفتے میں پھر ایک بیرونِ ملک درپیش ہے۔ امریکہ کے مغربی ساحل پر واقع ریاست کیلیفورنیا کی اورنج کاؤنٹی میں گارڈن گرو (GARDEN GROVE) کے اسلامک سنٹر نے وسطِ دسمبر میں ایک انٹرنیشنل سیرت کانفرنس کا پروگرام ترتیب دیا ہے جس میں امیرِ تنظیم اسلامی کو شرکت کی پُرزور دعوت موصول ہوئی ہے۔ خیال ہے کہ امیرِ محترم یہ دعوت قبول کرتے ہی بنے گی۔ اس بار امیرِ محترم کا گلوب کے دوسری جانب سے واپسی کا سفر اختیار کرنے کا خیال بن رہا ہے تاکہ واپسی کے سفر میں کوالالمپور (ملائشیا) کا دورہ بھی ممکن ہو سکے۔ ملائشیا میں مقیم ہمارے ایک رفیق بہت عرصے سے امیرِ محترم کے دورہ کے لیے زور لگا رہے ہیں۔ کیا عجب کہ اُن کی یہ آرزو اس بار پوری ہو ہی جائے۔

DO'NT BETRY THE REPOSED TRUST

QUIT

The Inherited Ritualistic Belief and Sectarianism

and

ACQUIRE

The Real Iman (ایمان) by studying the

HOLY QURAN

WHO

Would know the best,

HOW

to convince man?

of course, the ONE WHO created man

THE MESSAGE OF AL-MIGHTY

wrapped up in veils is waiting to answer all your QUESTIONS, clear all your DOUBTS and LEAD you to

TRUTH

منجانب : ایک بندہ خدا

نظامِ مصطفیٰ کے نفاذ کا مصطفوی طریق

امیرِ تنظیم اسلامی کے حالیہ خطابات کا ملخص

اسلامی انقلاب اور اس کے نبوی طریق کار پر میں پچھلے سات آٹھ برسوں کے دوران متعدد بار گفتگو کر چکا ہوں اور اپنے طور پر مطمئن ہوں کہ جو بھی سمجھنا چاہے اس کے لئے نہایت واضح انداز میں بات بیان کی جا چکی ہے۔

یہاں تک کہ پاکستان ٹی وی کے نیشنل ہک اپ پر ہونے والے پروگرام "روبرو" میں میں نے اسے بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا اور اس پروگرام میں مجھ سے cross - qu estioning کرنے والے ملک کے چوٹی کے دانشور حضرات کو میں نے الحمد للہ مسکت جوابات دے کر لاجواب کیا۔ پھر یہ کہ مسجد دارالسلام میں اس موضوع پر میں نے پوری گیارہ تقریریں کی ہیں جنہیں "منہجِ انقلابِ نبویؐ" کے عنوان کے تحت کتابی صورت میں شائع ہوئے بھی اب کئی سال ہو چکے ہیں۔ بعد ازاں اس کے آخر میں ایک باب کا اضافہ بھی کر دیا گیا تھا کہ 'منہجِ انقلابِ نبویؐ' کے وہ کون سے پہلو ہیں جنہیں موجودہ حالات کے تقاضوں کے مطابق نئی شکل دینا ہوگی اور جن میں ہمیں اجتہاد کی ضرورت ہوگی۔ میں نے تفصیل سے واضح کیا ہے کہ ان میں کہاں کہاں اور کیا کیا فرق ہمیں کرنا ہوگا۔ گویا اسلامی انقلاب کے مصطفوی طریق کار پر میں تفصیلاً روشنی ڈال چکا ہوں، اپنی تقریروں میں بھی اور تحریروں میں بھی۔ میں آج اسی موضوع کو ایک مختلف اسلوب سے بیان کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اسلوب کی تبدیلی کا انداز میں نے قرآن حکیم سے سیکھا ہے کہ 'تصریفِ آیات' قرآن کا مستقل اسلوب ہے۔ گویا ع

اِک پھول کا مضمون ہو تو سو رنگ سے باندھوں!

مزید برآں میں یہاں یہ کوشش بھی کروں گا کہ کوئی لگی لپٹی رکھے بغیر واضح اور دو ٹوک انداز میں بات آپ کے سامنے رکھوں تاکہ یہ مضمون پوری طرح کھل کر اور عریاں ہو کر سامنے آجائے۔ ممکن ہے میری آج کی گفتگو بعض افراد یا بعض گروہوں کو کچھ تلخ محسوس ہو' تاہم ؏ ''نوا را تلخ تر می زن چوں ذوقِ نغمہ کم یابی'' کے مصداق اس تلخ نوائی پر مجھے معذور سمجھا جائے!

مصطفوی نظام کیا ہے؟

نظامِ مصطفوی کے بارے میں ہمارے ملک میں دو بڑے مغالطے اور غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہی دو مغالطے ہیں جن کی وجہ سے اسلام کے نام پر قائم ہونے والے اس واحد ملک میں آج تک اسلامی نظام کا قیام ممکن نہیں ہو سکا۔

پہلا مغالطہ یہ ہے کہ اسلامی نظام کو یا تو چند عبادات کا مجموعہ سمجھ لیا گیا اور یا پھر چند قوانین اور حدود و تعزیرات کا ضابطہ قرار دے لیا گیا۔ اس سے آگے ہمارے سامنے اسلام کے نظامِ اجتماعی کا کوئی نقشہ ہے ہی نہیں! ۔ حالانکہ ہمیں غور کرنا چاہئے کہ نماز روزے پر نہ تو انگریز کے دور میں کوئی پابندی تھی اور نہ بھارت میں آج کوئی قدغن ہے' بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہندوستانی مسلمان پاکستانی مسلمان کے مقابلے میں بحیثیت مجموعی زیادہ مذہبی ہے۔ اسی طرح امریکہ' انگلستان اور دوسرے غیر مسلم اکثریت کے ممالک میں بھی نماز روزے پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ تبلیغی حضرات وہاں بڑے دھڑلے سے ائیرپورٹ پر باجماعت نماز ادا کرتے ہیں۔ آپ نے سنا ہوگا کہ امریکہ اور انگلستان میں مسلمان چرچ خرید کر انہیں مساجد میں تبدیل کر لیتے ہیں۔ تو کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہاں اسلامی نظام ہے؟ ہرگز نہیں! معلوم ہوا کہ اسلامی نظام کے معنی محض نماز روزہ نہیں ہیں۔ نماز روزہ کی اہمیت اور فرضیت میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے' لیکن دنیا کو جو چیز درکار ہے وہ آپ کی نمازیں نہیں ہیں' بلکہ آپ کا وہ نظام ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمایا اور اس نظام کے معنی نماز روزہ نہیں' کچھ اور ہیں!

اسی طرح بعض عرب ممالک میں' جن میں سعودی عرب خاص طور سے قابل ذکر

ہے ' کچھ اسلامی قوانین بھی نافذ ہیں ۔ وہاں چور کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے اور قتلِ عمد اور قتلِ خطا میں قصاص ودیت کے اسلامی قانون پر عمل ہوتا ہے ۔ تو کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہاں اسلامی نظام قائم ہے ؟ کیا یہ ملوکیت اور اس کا یہ جبر کہ وہاں کسی کو زبان تک کھولنے کا حق نہیں ہے 'اسلامی نظام ہے ؟ اسلامی نظام تو وہ تھا جہاں عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر خلیفہ کو ایک عام مسلمان بھی بر سر منبر ٹوک کر یہ سوال کر سکتا تھا کہ آپ کا یہ کُرتا کہاں سے بنا ہے ؟ اور وہ عمر فاروقؓ جن کا دبدبہ اس وقت روئے ارضی کے ایک بہت بڑے حصّے پر تھا ' جواباً یہ نہیں کہتے کہ تمہیں یہ پوچھنے کا حق نہیں ہے ' یہ میرا ذاتی معاملہ ہے ، بلکہ معاملے کی پوری وضاحت پیش کرتے ہیں ۔ اسلامی نظام یہ نہیں ہے کہ چند حدود و تعزیرات کا نفاذ کر دیا جائے اور خود مطلق العنان بادشاہ بن کر لوگوں کی گردنوں پر سوار ہو جایا جائے ۔ آج عرب امراء و شیوخ اور بادشاہوں اور شہزادوں کے محلّات کی وسعت کا یہ عالم ہے کہ ارب ہا ارب ڈالر کے خرچ سے تعمیر ہونے والے ایک ایک محل میں 'وہائٹ ہاؤس' جیسی کئی کئی عمارتیں سما سکتی ہیں ۔ کیا یہ اسلامی نظام ہے ؟ اسلامی نظام تو وہ تھا جس میں خلیفۂ وقت کو اپنی ذمہ داریوں اور ان کے بارے میں بارگاہ ربّ العزت میں مسئولیت کا اس قدر احساس تھا کہ وہ دجلہ و فرات کے کنارے بھوک سے مر جانے والے ایک کتے کی موت کا ذمہ دار بھی خود کو سمجھتا تھا ۔ اس لئے کہ یہ نظام ہر شہری کی بنیادی ضروریات کی کفالت کا ذمہ دار ہے ' اسلامی نظام وہ تھا جس میں بزورِ شمشیر فتح ہونے والی زمینوں کو خراجی زمینیں قرار دیا گیا اور انہیں مجاہدین میں تقسیم کرنے کے بجائے بیت المال کی ملکیت قرار دیا گیا ۔ آپ کے علم میں ہوگا کہ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ میں جب شام و عراق کے علاقے فتح ہوئے جو اُس وقت 'Fertile Crescent' یعنی سونا اگلنے والے علاقے شمار ہوتے تھے تو مجاہدین نے مطالبہ کیا کہ حسبِ دستور اس 'مالِ غنیمت' میں سے پانچواں حصّہ بیت المال کے لئے نکال کر باقی زمینیں ہمارے درمیان تقسیم کر دی جائیں ۔ بادیٔ النظر میں مجاہدین کا یہ مطالبہ برحق تھا لیکن اگر اُس وقت حضرت عمرؓ اسے تسلیم کر لیتے تو حقیقت یہ ہے کہ تاریخ انسانی کا سب سے بڑا جاگیردارانہ نظام وجود میں آجاتا ۔ اس معاملے پر مجلس شوریٰ میں طویل بحث ہوئی ۔ حضرت عمرؓ کا استدلال یہ تھا کہ اگر ایسا کر دیا جائے تو بعد میں آنے والے مسلمانوں کا کیا بنے گا ؟ جب

کہ قرآن حکیم میں تقسیمِ مال کے سلسلے میں مجاہدین و انصار کے علاوہ "وَالَّذِینَ جَاءُوْ مِنْ بَعْدِهِمْ ... (الحشر: ۱۰)" کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ بالآخر حضرت عمر فاروقؓ کے اس اجتہاد پر اجماع ہو گیا کہ مالِ غنیمت کے قانون کا اطلاق صرف اموالِ منقولہ پر ہوگا اور زمینیں اموال منقولہ نہ ہونے کے باعث مالِ غنیمت قرار نہیں پائیں گی۔ چنانچہ یہ بیت المال کی ملکیت ہوں گی اور ان کے کاشتکاروں سے وصول ہونے والا خراج بیت المال میں جمع کیا جائے گا، تاکہ وہ تمام مسلمان کی بہبود پر خرچ ہو۔ اور عمر فاروقؓ کا یہ اجتہاد شریعتِ اسلامی میں ایک مستقل قانون کی حیثیت رکھتا ہے کہ جو بھی علاقہ کبھی بزور شمشیر فتح ہو اس کی زمینیں کسی فرد، خاندان یا قبیلے کی ملکیت نہیں ہوں گی، بلکہ مسلمانوں کی اجتماعی ملکیت ہوں گی اور یہ قانون حضرت عمرؓ کے دور سے لے کر خلافتِ عثمانیہ تک نافذ رہا جو موجودہ صدی کے ربعِ اوّل تک قائم رہی۔ خلافت عثمانیہ کا خاتمہ ۱۹۲۴ء میں ہوا ہے اور اُس وقت تک یہ قانون خلافتِ عثمانیہ کی عملداری میں رہنے والے تمام علاقے میں نافذ رہا جس میں حجاز، عراق، شام اور شمالی مصر کے علاوہ یورپ کا کافی علاقہ شامل تھا۔ ان تمام علاقوں کی زمینیں کسی کی انفرادی ملکیت میں نہیں تھیں، بلکہ ان کا خراج بیت المال میں جمع ہوتا تھا۔ صرف وہ زمینیں "عشری" تھیں، جنہیں مسلمانوں نے کبھی بزور شمشیر فتح نہیں کیا تھا۔ مثلاً مدینہ منورہ کی زمینیں وہاں کے مسلمانوں کی ملکیت ہی رہیں، کیونکہ اہل مدینہ تو خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مہمان بنا کر لے گئے تھے اور انہوں نے خود اسلام قبول کیا تھا۔ لہٰذا ان کی زمینیں عشری زمینیں رہیں۔ مسلمان جس طرح اپنے مال سے زکوٰۃ نکالتا ہے اسی طرح اپنی زمین سے عشر ادا کرتا ہے۔ لیکن پورے عالم اسلام میں جو علاقہ کسی بھی وقت مسلمانوں نے بزور شمشیر فتح کیا ہو اس کی زمینیں خراجی ہیں اور مسلمانوں کی اجتماعی ملکیت ہیں۔ آج دنیا کو اسی نظام کی ضرورت ہے تاکہ جاگیرداری اور وڈیرہ شاہی کا خاتمہ ہو۔

اسلامی نظام وہ ہے جس میں انسان کو آزادی اور حریت حاصل ہو۔ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا نظامِ عدلِ اجتماعی ہمیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں اپنے پورے جوبن پر نظر آتا ہے۔ دورِ فاروقی میں آزادی و حریت کا یہ عالم تھا کہ حضرت عمرؓ کو جب یہ اطلاع ملی کہ ایران کے گورنر (جو فاتحِ ایران بھی تھے) سعدؓ بن ابی وقاص

نے اپنے مکان کے آگے ڈیوڑھی بنا کر وہاں ایک دربان کھڑا کر لیا ہے اور لوگوں نے ان کے مکان کو "قصرِ سعد" کہنا شروع کر دیا ہے تو عمر فاروقؓ نے اپنا خط دے کر فوراً ایک ایلچی کو اس حکم کے ساتھ روانہ کیا کہ سب سے پہلے جا کر سعدؓ کی ڈیوڑھی کو آگ لگا دینا اور پھر یہ خط اسے دینا۔ اپنے خط میں حضرت عمرؓ نے حضرت سعدؓ کو ان الفاظ میں شدید ڈانٹ پلائی کہ: "مَتَی اسْتَعْبَدْتُمُ النَّاسَ وَقَدْ وَلَدَتْهُمْ اُمَّهَاتُهُمْ اَحْرَارًا" کہ اے سعدؓ! تم نے لوگوں کو اپنا غلام کب سے بنا لیا ہے' جبکہ ان کی ماؤں نے انہیں آزاد جنا تھا؟ یعنی تم نے اپنے اور لوگوں کے درمیان دربان کھڑا کر کے کسریٰ کی روایت کو زندہ کر دیا ہے!

انسانی مساوات کی عظیم ترین مثال ہمیں حضرت عمرؓ کے سفرِ بیت المقدس میں نظر آتی ہے۔ یہ ان کا کوئی ذاتی سفر نہیں تھا' بلکہ آپؓ خلیفہ کی حیثیت سے بیت المقدس کا چارج لینے جا رہے تھے۔ آج ہمارے حکمرانوں کا یہ حال ہے کہ علاج کے لئے بھی سفر کریں تو پورا جہاز چارٹر کرایا جاتا ہے۔ سربراہِ حکومت عمرہ کے لئے جائیں تو دو سو آدمی ہمراہ ہوتے ہیں اور پی آئی اے کا پورا شیڈول درہم برہم ہو کر رہ جاتا ہے۔ لیکن خلیفۂ راشد حضرت عمر فاروقؓ نے مدینہ سے بیت المقدس تک آٹھ سو میل کا سفر اس شان سے کیا کہ آپؓ اور آپ کے خادم کے لئے ایک ہی اونٹ تھا۔ اونٹ پر چونکہ زادِ راہ بھی تھا' لہٰذا ایک وقت میں ایک آدمی کے بیٹھنے کی گنجائش تھی۔ چنانچہ ایک منزل آپؓ اونٹ پر بیٹھتے اور خادم نکیل پکڑ کر آگے چلتا اور اگلی منزل پر خادم اونٹ پر سوار ہوتا اور آپؓ نکیل پکڑ کر چلتے۔ جب آخری منزل آئی تو سوار ہونے کی باری خادم کی تھی۔ اس نے لاکھ عرض کیا کہ خدارا آپؓ اونٹ پر سوار ہو جایئے' لوگ کیا کہیں گے؟ لیکن آپؓ نے فرمایا کہ نہیں' باری تمہاری ہے' تمہیں اوپر بیٹھنا ہوگا! اور مسلمانوں کے امیرِ لشکر حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح نے بیت المقدس کے باہر امیر المومنین کا اس حال میں استقبال کیا کہ آپؓ اونٹ کی نکیل پکڑے آگے آگے چلے آ رہے تھے اور خادم اونٹ پر سوار تھا یہ ہے اسلام کے نظامِ عدل و قسط میں حریت واخوت و مساوات کی چند مثالیں! خلافتِ راشدہ کا یہ نقشہ اگرچہ اب بعینہٖ دنیا میں دوبارہ قائم نہیں ہو سکتا' محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے تربیت یافتہ صحابہ کرام نے بلندیوں کی جو مثالیں قائم کر دکھائی ہیں نوعِ انسانی ان تک نہیں پہنچ سکتی' لیکن جب تک اس کا کوئی عکس دنیا کو نظر نہ آئے' کسی

ملک کے نظام کو دنیا اسلامی نظام نہیں مان سکتی! تو پہلا مغالطہ یہ رفع ہو جانا چاہئے کہ ہمارے سامنے جب بھی اسلام کا نام لیا جاتا ہے تو اس سے مراد محض نماز روزہ ہوتا ہے یا پھر چند قوانین اور سزائیں۔ جبکہ اسلامی نظام در حقیقت اس نظامِ عدلِ اجتماعی کو کہا جائے گا جس میں معاشرتی' معاشی اور سیاسی سطح پر ظلم و نا انصافی' اونچ نیچ اور استحصال کا خاتمہ ہوگا' ہر فرد کی بنیادی ضروریات کی کفالت کا اہتمام ہوگا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اجتہاد کے مطابق نیا بندوبستِ اراضی عمل میں آئے گا۔

مصطفوی انقلاب کیسے آسکتا ہے؟

اسلامی نظام کے بارے میں ہمارے ہاں دوسرا بڑا مغالطہ یہ ہے کہ ایک طرف یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ یہ کام بھکشوانہ انداز کی تبلیغ سے ہو جائے گا اور دوسری طرف ابھی تک یہ بات ذہنوں میں بیٹھی ہوئی ہے کہ اس کا نفاذ انتخابات کے ذریعے ممکن ہے!۔ حالانکہ بار بار کے تجربات کے بعد اب یہ مغالطہ آپ سے آپ رفع ہو جانا چاہئے۔

اس حوالے سے ایک اچھا جملہ ذہن میں آیا کہ اسلامی نظام کا قیام نہ بھکشوانہ تبلیغ سے ممکن ہے اور نہ ووٹوں کی بھیک سے! یہ درست ہے کہ کسی کو برائی سے روکنے کے لئے کبھی اس کی خوشامد بھی کرنی پڑتی ہے اور کبھی اس کی سخت بات کو برداشت کرنا بھی ضروری ہوتا ہے' دعوت کے مرحلے میں یہ طرز عمل اختیار کرنا لازمی ہے لیکن محض بھکشوانہ انداز کی تبلیغ سے کچھ لوگوں کے انفرادی عقائد و اعمال کی اصلاح تو ممکن ہے' انقلاب نہیں آسکتا'! .... اسی طرح ووٹوں کی بھیک سے بھی نظام میں جزوی اصلاح کی توقع تو کی جاسکتی ہے' نظام کو جڑ بنیاد سے تبدیل کرنا ممکن نہیں! ہمارا گزشتہ ۴۴ برس کا تجربہ اس کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اس کی سب سے بڑی اور منطقی وجہ یہ ہے کہ انتخابی سیاست میں ووٹوں کی تعداد فیصلہ کن ہوتی ہے جبکہ ووٹوں کی میزان میں ایک متقی اور ایک فاسق و فاجر شخص دونوں یکساں وزن رکھتے ہیں اور یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ ہمارے معاشرے میں مسلمان جینے اور مرنے کے پختہ عزم کے حامل لوگ عددی اعتبار سے آٹے میں نمک کے برابر ہیں۔ اس تناظر میں سورۃ الانعام کی آیت ۱۱۶ کا یہ اشارہ بہت بامعنی ہے

کہ "وَاِنْ تُطِعْ اَکْثَرَ مَنْ فِی الْاَرْضِ یُضِلُّوْکَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ " کہ اگر تم نے زمین میں رہنے والوں کی اکثریت کی پیروی کی تو تم بھٹک جاؤ گے اللہ کے راستے سے ــــــ پھر ہمارے ساتھ ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ ہماری ۸۵ فی صد آبادی کا تعلق دیہات سے ہے جہاں سرمایہ داروں ' جاگیرداروں ' وڈیروں ' خان زادوں ' پیروں ' زمینداروں اور چوہدریوں کا اثر و رسوخ بے پناہ ہے۔ ہر دور میں یہی لوگ چہرے بدل کر اسمبلیوں میں پہنچتے رہے ہیں' اور چہرے بھی کیا اب تو صرف لیبل کی تبدیلی ہی کافی سمجھی جاتی ہے۔ اس صورتِ حال میں کسی مؤثر تبدیلی کا دُور دُور امکان نہیں آتا۔ کیا یہ لوگ اسمبلیوں میں پہنچ کر اپنے مفادات پر کوئی آنچ آنے دیں گے ؟ انہی لوگوں کے اثر و نفوذ کے باعث آئی ایم ایف اور امریکہ کے شدید دباؤ کے باوجود آج تک ملک میں زرعی ٹیکس کا نفاذ نہیں کیا جا سکا۔ تو کیا ان سے آپ حقیقی اسلامی نظام کے نفاذ کی آس لگائے بیٹھے ہیں ؟ یہ بات جان لیجئے کہ انتخابات کے نتیجے میں بالعموم محض چہرے بلکہ لیبل تبدیل ہوتے ہیں یا زیادہ سے زیادہ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس ذریعے سے نظام کو چلانے والے بہتر انتظامی ہاتھ میسر آسکتے ہیں ' نظام ہرگز تبدیل نہیں ہو سکتا!

مصطفوی انقلاب کے لیے جہاد ناگزیر ہے!

اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ اسلامی نظام کا قیام ' انقلابِ اسلامی یا مصطفوی انقلاب صرف اور صرف جہاد کے ذریعے ممکن ہے ...... اور جہاد کے معنی تصادم اور ٹکراؤ کے ہیں ! میرے یہ الفاظ ان " امن پسند " لوگوں کو یقیناً اچھے نہیں لگیں گے جو نہیں چاہتے کہ کسی کی نکسیر بھی پھوٹے۔ آپ ذرا جہاد کے معانی پر غور کیجئے ' جہاد اور جہد کا فرق نوٹ کیجئے۔ ' جہد ' کے معنی کوشش کے ہیں جو ایک یکطرفہ عمل ہے اور ' جہاد ' کوششوں کی ٹکراؤ کا نام ہے۔ اسی طرح کام معاملہ ' قتل ' اور ' قتال ' کا ہے۔ قتل یکطرفہ عمل کو کہتے ہیں۔ کوئی شخص اگر دوسرے کو ہلاک کر دے تو اِس عمل کو قتل کہا جائے گا۔ جبکہ قتال ایک دو طرفہ عمل ہے جس میں دو فریق ایک دوسرے کے بالمقابل آکر ایک دوسرے کو قتل کرنے کے درپے ہوتے ہیں۔ یہی فرق ' جہد ' اور ' جہاد ' میں ہے۔ جہاد محض کوشش نہیں دو طرفہ کوشش یعنی کشاکش کا نام ہے۔ اسی کے لئے

دوسرا لفظ تصادم یا ٹکراؤ کا ہے۔

جہاد کے دو مرحلے ہیں ۱۔ جہاد بالقرآن اور ۲۔ جہاد بالقوۃ۔ یعنی طاقت و قوت کے ساتھ جہاد۔ پہلا جہاد ہے فکری و نظری جہاد جو ہمیں قرآن کے بل پر کرنا ہوگا۔ اسے آپ 'بھکشوانہ جہاد' سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں۔ اقبال نے بڑے خوبصورت انداز میں اسے ایک مصرعے میں بیان کیا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ معانی کے سمندر کو کوزے میں بند کرنے کا حق ادا کیا ہے کہ ع "بانشہ درویشی در ساز و دمادم زن!"

مکے میں یہی جہاد جاری تھا۔ دعوت و تبلیغ کا کام بڑی دلسوزی اور ملائمت کے ساتھ کیا گیا، لوگوں کی گالیاں کھا کر بدلے میں انہیں دعائیں دی گئیں، پتھراؤ کے جواب میں پھول پیش کئے گئے۔ یہ وہ مرحلہ تھا جہاں بھکشوانہ اور درویشانہ انداز کی تبلیغ ضروری ہوتی ہے۔ واضح رہے کہ بھکشو درویش ہی کو کہتے ہیں۔ مکے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی یہی درویشانہ شان نمایاں نظر آتی ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیجئے کہ فرعون جیسے سرکش کے بارے میں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو یہ تاکید کی گئی کہ اسے اللہ کے دین کی دعوت دینے جاؤ تو اس سے نرم لہجے میں بات کرنا (فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ ۔ سورۂ طٰہٰ آیت ۴۴)۔ یہ ہے "بانشہ درویشی در ساز و دمادم زن" کا مرحلہ، لیکن اس کے بعد ایک دوسرا مرحلہ بھی ناگزیر ہے جسے اقبال نے دوسرے مصرعے میں سمویا ہے: ع "چوں پختہ شوی خود را بر سلطنت جم زن"

کہ مناسب تربیت و تیاری کے بعد اب اپنے آپ کو سلطنتِ جم سے ٹکرا دو!۔۔۔۔ قوت کا قوت کے ساتھ ٹکراؤ اس راہ کی لازمی شرط ہے۔ قرآن نے سورۃ الانبیاء میں اس کا نقشہ یوں کھینچا ہے: "بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ"۔ کہ ہم حق کو باطل پر دے مارتے ہیں تو وہ اس کا بھیجا نکال دیتا ہے، پس وہ اسی دم ملیامیٹ ہو جاتا ہے۔ سورۃ الحدید میں فرمایا گیا: "وَأَنزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ" کہ ہم نے صرف نصیحت و موعظت ہی نازل نہیں کی، باطل کی سرکوبی کے لئے لوہا بھی اتارا ہے جس میں جنگ کی بڑی صلاحیت ہے۔۔۔۔ یہ دونوں مراحل باہم دگر مربوط ہیں۔ اب ہمیں بالترتیب ان دونوں کو تفصیل سے سمجھنا ہے ۔۔۔۔۔

جہاد بالقرآن کے مراحل

جہاد بالقرآن کے مفہوم کی وضاحت کے لئے اس کے تین مراحل کو سمجھنا مفید ہوگا:

۱۔ **دعوت و تذکیر:** قرآن حکیم کے ذریعے دعوت و تبلیغ' تذکیر و یاددہانی اور انذار و تبشیر جہاد بالقرآن کا پہلا مرحلہ ہے۔ اس لئے کہ اسلامی انقلاب کے لئے بنیاد نظریۂ توحید اور ایمان باللہ سے فراہم ہوتی ہے۔ اور ایمان کا منبع و سرچشمہ ہے قرآن حکیم' اور یہی اس کے لئے جِلا اور افزائش کا ذریعہ بھی ہے! قرآن کے ذریعے دعوت و تذکیر اور انذار و تبشیر معاشرے پر جس طور سے اثر انداز ہوتا ہے اُسے میں ایک تمثیل کے ذریعے واضح کرنا چاہتا ہوں۔ آپ جانتے ہیں کہ خود قرآن حکیم کا یہ مستقل اسلوب ہے کہ دقیق اور لطیف مضامین کو بالعموم تمثیل کے پیرائے میں بیان کیا جاتا ہے۔ یہ انداز دیگر آسمانی کتب میں بھی ملتا ہے۔ خاص طور سے انجیل میں حضرت مسیح علیہ السلام کا کلام تو ہے ہی تماثیل کے پیرایوں میں۔

میں قرآنی دعوت کے لئے جو تمثیل پیش کرنا چاہتا ہوں وہ مقناطیس (Magnet) کی ہے۔ ہائی سکول کے زمانے میں ہمیں ایک سادہ سا سائنسی تجربہ کرایا جاتا تھا کہ لوہ چون اور لکڑی کے برادے کو آپس میں ملا دیا جاتا۔ پھر ان دونوں کو علیحدہ علیحدہ کرنے کے لئے مقناطیس استعمال کیا جاتا۔ لوہ چون مقناطیس کے ساتھ چمٹ جاتا' جبکہ لکڑی کا برادہ اس خاصیت سے محروم ہونے کے باعث مقناطیس سے جدا رہتا۔ چنانچہ اس طرح دونوں کے درمیان ایک حدِ فاصل قائم ہو جاتی۔ گویا دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جاتا۔

اس مثال کو ذہن میں رکھئے اور اب غور کیجئے کہ انسانی معاشرہ مختلف اور متضاد طبائع رکھنے والے افراد پر مشتمل ہوتا ہے۔ ان میں سعید ارواح بھی ہوتی ہیں اور خبیث بھی۔ بدترین معاشرہ بھی سعید ارواح سے خالی نہیں ہوتا۔ آپ کو معلوم ہے کہ بعثت نبویؐ کے وقت عرب معاشرہ کس درجے کے زوال و انحطاط کا شکار تھا' لیکن کیا اسی معاشرے میں ابوبکر صدیق' عثمان بن عفّان' زید بن حارثہ اور عثمان بن مظعون (رضی اللہ عنہم اجمعین) جیسے تابناک کردار موجود نہیں تھے؟ جن کا نورِ فطرت نورِ وحی سے ہمکنار ہونے کے لئے پہلے ہی سے بے قرار تھا! ۔ اسی معاشرے میں ابولہب' ابوجہل اور ولید بن مغیرہ

جیسے اشقیاء بھی تھے ' لیکن ایک بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی بھی موجود تھی جن کے اوپر تو اگرچہ ماحول کا غلاف آ گیا تھا مگر اندر نیکی کی چنگاری سلگ رہی تھی۔ اور جس طرح راکھ کے غلاف میں مستور چنگاری کو اگر پھونک ماری جائے تو وہ آخرکار شعلہ بن کر بھڑک اٹھتی ہے ' اسی طرح ان لوگوں میں بھی شعلۂ جوالہ بننے کی استعداد موجود تھی۔ اس قسم کے لوگوں کا غلاف اترنے اور ان کے اندر دبی ہوئی چنگاری بھڑک اٹھنے میں کچھ وقت ضرور لگا ___ کسی کو کم کسی کو زیادہ' چنانچہ حضرت عمر اور حضرت حمزہ (رضی اللہ عنہما) کو قرآن کی انقلابی دعوت قبول کرنے میں چھ سال لگ گئے۔ تو ہر معاشرے میں ہمیشہ یہی تین قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ اب ہمیں قرآن مجید کا 'مقناطیس' لے کر اپنے معاشرے میں نکلنا ہو گا۔ اسے معاشرے کے اندر چلایا جائے' پھرایا جائے' اس جام کو گردش میں لایا جائے تاکہ جہاں جہاں نیکی بھلائی اور اچھائی کا جذبہ موجود ہے' چاہے دبا ہوا ہے' وہ قرآن کے اس مقناطیس کے ساتھ چمٹتا چلا جائے۔ یہ قرآن اس معاشرے کے نیک و بد میں اسی طرح تمیز و تفریق کر دے گا جس طرح مقناطیس لوہ چون اور لکڑی کے برادے میں کر دیتا ہے اور "لِیَمِیزَ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ" کے مصداق نیک و سعید روحوں کو اپنی طرف کھینچ لے گا۔

۲۔ تزکیہ: جہاد بالقرآن کا دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ دعوت قرآنی کے نتیجے میں جمع ہونے والی پاکباز اور سعید روحوں کا اب قرآن ہی کے ذریعے تزکیہ کیا جائے۔ انہیں اس قرآن کے ذریعے باطنی امراض سے پاک و صاف کیا جائے کہ وہ زر خالص ہو جائیں ' کندن بن جائیں۔ تزکیے کے اس عمل کے لئے قرآن سے استفادے کا بہترین طریق یہ ہے کہ راتوں کو کھڑے ہو کر اسے پڑھا جائے۔ اپنی راتوں کو اس کے ذریعے آباد کیا جائے۔ سورۃ بنی اسرائیل میں اس جانب واضح اشارہ موجود ہے: وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ (اس قرآن کے ساتھ رات کا کچھ حصہ جاگ کر بسر کیا کرو)۔ قرآن کو اپنے دل و دماغ میں جذب کرنے کا یہ مؤثر ترین ذریعہ ہے اور اسی میں تمام باطنی اور روحانی امراض کا مداوا ہے۔ خود رب جلیل نے سورۃ یونس میں اسے "شِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ" قرار دیا ہے۔ یہ شیطان کے پھیلائے ہوئے زہر کا کامل تریاق ہے اور اسی طرح انسانی وجود میں سرایت کر جاتا ہے جس طرح زہر سرایت کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اِنَّ

الشَّیطَانَ یَجْرِی مِنَ ابْنِ آدَمَ مَجْرَی الدَّمِ کہ شیطان تو انسان کے اندر خون کی مانند رواں ہو جاتا ہے۔ تو جس طرح مارگزیدہ شخص کے لئے محض مرہم پٹی نہیں ' بلکہ رگوں میں اتر جانے والا تریاق درکار ہوتا ہے اور SEPTI-CAEMIA جیسے مرض میں خون میں سرایت کر جانے والی دوا مطلوب ہوتی ہے ' اسی طرح شیطانی اثرات کے زہر کے لئے بھی دل و جان میں اتر جانے والا تریاق چاہئے ' اور ایسا تریاق صرف اور صرف قرآن حکیم ہے۔ اسی کی یہ شان ہے جسے علامہ اقبال مرحوم نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے :۔

چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود
جاں چو دیگر شد جہاں دیگر شود !

یعنی یہ قرآن جب کسی کے اندر سرایت کر جاتا ہے تو اس کے باطن کی دنیا میں ایک انقلاب آ جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آلۂ تزکیہ بھی یہی قرآن ہی تھا۔ اسی کے ذریعے آنحضورؐ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نفوس کو انتہائی پاکیزہ اور طیبؓ بنایا اور انہیں ہر طرح کی کھوٹ اور آلودگی سے پاک کر دیا۔ سورۂ آل عمران میں صحابہ کرامؓ کے بارے ہی میں فرمایا جا رہا ہے : "وَلِیُمَحِّصَ مَا فِی قُلُوبِکُم" یعنی اے رسول اللہ کے ساتھیو! اللہ چاہتا ہے کہ تمہارے دلوں میں کسی قسم کے کھوٹ کی ذرہ برابر آمیزش بھی باقی نہ رہے۔ اللہ تمہیں اس لئے ان آزمائشوں کی بھٹیوں سے گزار رہا ہے تاکہ تم بالکل کندن اور زر خالص بن جاؤ۔ تو یہ ہے جہاد بالقرآن کا دوسرا مرحلہ۔ یعنی دعوتِ قرآنی کے ذریعے معاشرے سے دستیاب ہونے والے نیک فطرت لوگوں کے پورے وجود کو تزکیۂ قرآنی کے ذریعے مکمل پاک کر دینا اور ان میں موجود ذرا سی بھی کھوٹ کا خاتمہ کر دینا۔

۳۔ تنظیم : جہاد بالقرآن کا تیسرا مرحلہ تنظیم ہے۔ یعنی ایک ایسی اجتماعیت کا قیام جس کا مرکز و محور قرآن ہو۔ اس کے لئے مقناطیس والی تمثیل کے ایک دوسرے پہلو پر غور کیجئے ' جس سے یہ حقیقت مزید واضح ہو جائے گی۔ لوہے کے تمام ذرات جب مقناطیس سے چمٹ جاتے ہیں تو وہ ایک اعتبار سے آپس میں بھی گُتھ جاتے ہیں۔ گویا ان

۱۔ متفق علیہ ، عن صفیہؓ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم

کا ایک باہمی نظم قائم ہو جاتا ہے۔ تو جہاد بالقرآن کے تیسرے مرحلے کے طور پر جو تنظیم قائم ہوگی وہ "QURAN - CENTERED" ہوگی۔ اسی کا اللہ نے قرآن میں بایں الفاظ حکم دیا ہے: **وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا** کہ مل جل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور باہم متفرق نہ ہو! اور اللہ کی رسی یہی قرآن ہی تو ہے۔ حدیث نبوی کے الفاظ میں یہی اللہ کی وہ رسی ہے جو آسمان سے زمین تک تنی ہوئی ہے۔ چنانچہ اسی کو مل جل کر تھامنا ہوگا۔ اس سے چمٹ جانا ہوگا۔

دیکھئے' انسانی اتحاد کا سب سے بڑا عنصر ذہنی ہم آہنگی ہے۔ جانوروں کے گلے میں نظم قائم کرنے کے لئے ایک چرواہا اور اس کی لاٹھی کافی ہے' لیکن انسانی اجتماعیت کے لئے جو چیز سب سے ضروری ہے وہ ذہنی ہم آہنگی ہے۔ ذہنی ہم آہنگی کے بغیر کوئی اتحاد قائم کر لیا جائے تو وہ ایک مصنوعی اور ناپائیدار اتحاد ہوگا۔ ایسی اجتماعیت کا شیرازہ آج نہیں تو کل بکھر جائے گا۔ قرآن حکیم مسلمانوں کے لئے ذہنی ہم آہنگی کی بہترین اساس فراہم کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کردہ جمعیت کا مرکز و محور قرآن حکیم ہی تھا۔ اور یہ قرآن ہی کا اعجاز تھا کہ اس کی اساس پر جمع ہونے والے اور اس سے چمٹ جانے والے لوگوں نے جزیرہ نمائے عرب میں انقلاب برپا کر دیا۔ مستقبل میں بھی اسلامی انقلاب اسی سے چمٹ جانے سے وابستہ ہے!

تو یہ ہے جہاد بالقرآن جو مکی دور کا جہاد ہے۔ اس جہاد کے دوران اصل تصادم نظریات کی سطح پر ہوتا ہے ...... توحید اور شرک کا تصادم' ایمان اور مشرکانہ اوہام کا تصادم! تاہم یہ تصادم جسمانی (Physical) تصادم کی شکل بھی اختیار کرتا ہے جو اس مرحلے پر یکطرفہ ہوتا ہے۔ یعنی مخالفین کی طرف سے بالعموم ایذا رسانی اور تشدد کے ذریعے اس انقلاب کا راستہ روکنے کی کوشش کی جاتی ہے لیکن انقلابیوں کو حکم ہوتا ہے کہ مار کھاؤ مگر ہاتھ نہ اٹھاؤ' صبر کرو! جیسے حضرت یاسرؓ اور ان کے اہل خانہ پر سخت ترین تشدد ہوتے دیکھ کر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: **اِصْبِرُوا اٰلَ يَاسِرٍ فَاِنَّ مَوْعِدَكُمُ الْجَنَّةُ** (اے یاسر کے گھر والو صبر کرو' اس لیے کہ تمہارے وعدے کی جگہ جنت ہے)۔

تو جہاد بالقرآن کے تین مراحل جو میں نے بیان کئے ہیں ان کے ساتھ چوتھے مرحلے کے طور پر آپ ' صبرِ محض ' کو بھی شامل کر سکتے ہیں۔ یعنی جہاد بالقرآن کے دوران ہر تشدد اور تعذیب پر صبر کیا جائے گا اور کسی قسم کی کوئی انتقامی کارروائی نہیں کی جائے گی۔

جہاد بالقوّۃ

یعنی قوّت وطاقت کے ساتھ جہاد

جہاد بالقرآن یعنی دعوت ' تزکیہ اور تنظیم کے مراحل کے بعد جہاد بالقوۃ کا مرحلہ آتا ہے ۔ یعنی قوت و طاقت کے ساتھ جہاد ' اس لئے کہ ۔

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مردِ ناداں پر کلامِ نرم و نازک بے اثر

اس مرحلے پر قوتیں باہم متصادم ہوتی ہیں ' طاقت کا طاقت کے ساتھ ٹکراؤ ہوتا ہے ۔ اب تصادم محض نظریاتی نہیں رہتا بلکہ جسمانی (Physical) تصادم کی شکل اختیار کرلیتا ہے ۔ اور محض یکطرفہ نہیں رہتا بلکہ دو طرفہ تصادم کی صورت اختیار کرتا ہے ۔

اس موقع پر میں یہ بات دو ٹوک انداز میں واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ جن حضرات کو تصادم اور ٹکراؤ جیسے الفاظ سے الرجی ہے اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اس کے بغیر انقلاب آ سکتا ہے تو ان کے بارے میں دو باتیں لازم ہیں ۔ ایک یہ کہ وہ انتہائی سادہ لوح ہیں بلکہ جنت الحمقاء میں بستے ہیں کہ انہیں انقلاب کے ناگزیر تقاضوں کا شعور بھی حاصل نہیں ' اور دوسرے یہ کہ ایسے لوگ اپنی سادہ لوحی یا حماقت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر بہت بڑا طعن کر رہے ہیں ۔ اس لئے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو انقلاب برپا کرنے کے لئے خونریزی بھی کی ۔ مدنی دور میں آپؐ متعدد بار مسلمانوں کی جمعیت کو لے کر کفار کے مقابلے میں سیف بدست میدان میں نکلے اور خود اپنا خون مبارک بھی اس راہ میں نچھاور کیا ۔ غور کیجئے ' آپؐ سے اعلیٰ و افضل (معاذ اللہ) اور کون ہوگا؟ آپؐ سے بڑا حکیم و دانا ' آپؐ سے بہتر داعی و مبلغ اور آپؐ سے بڑھ کر معلّم و مزکّی کون ہو سکتا ہے جو ' تصادم ' کے اس مرحلے کے بغیر انقلاب برپا کر دے ؟ انقلاب اگر محض بھکشوانہ اور درویشانہ تبلیغ کے ذریعے سے آ سکتا تو آپؐ سے بڑھ کر درویش اور کون ہوگا؟ اگر صرف تزکیہ و تصفیہ سے انقلاب آ سکتا تو آپؐ سے بڑا مزکی اور کون ہوگا؟ اگر صرف دعوت اور تعلیم و تربیت کے ذریعے معاشرے میں مکمل تبدیلی برپا ہو سکتی تو آپ سے بہتر داعی اور معلّم کوئی ہو سکتا ہے ؟ ...... آپ نے دعوت و تبلیغ اور تعلیم و تربیت

کے یہ تمام ذرائع یقیناً اختیار فرمائے لیکن اس حقیقت کا کون انکار کر سکتا ہے کہ وقت آنے پر آپؐ نے تلوار بھی اپنے ہاتھ میں لی! اگر خونی تصادم کے بغیر انقلاب آنے کا کوئی امکان ہوتا تو حقیقت یہ ہے کہ رحمۃٌ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم ایک مومن و مسلم کا خون تو درکنار کسی انسان کے خون کا ایک قطرہ بھی زمین پر گرنے نہ دیتے!! کیا آپؐ اپنے محبوب چچا حضرت حمزہؓ کی جان قربان کرنا گوارا فرماتے؟ کیا آپؐ مصعبؓ بن عمیر جیسے بانکے اور سجیلے نوجوان کو اپنی جان نچھاور کرنے دیتے؟ اس راستے میں خود آپؐ کا چہرہ خون آلود ہوا ہے' آپؐ کے دندان مبارک شہید ہوئے ہیں' غزوۂ حنین میں آپؐ تیروں کی بوچھاڑ کی زد میں آئے ہیں۔ تو اس راستے میں آپؐ اور آپؐ کے ساتھیوں نے خون کا نذرانہ پیش کیا ہے...... اور "فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ" کے مصداق انہوں نے اس راستے میں مزاحم اور متصادم قوتوں کی سرکوبی بھی کی ہے تب کہیں جا کر انقلاب برپا ہوا ہے!...... سوچئے کہ اگر ابوجہل اور عتبہ بن ربیعہ جیسے سرکشوں کی گردنیں نہ اڑائی جاتیں تو کیا وہاں انقلاب برپا ہو سکتا تھا؟ تاریخ کے اوراق الٹ کر دیکھئے' ہجرتِ مدینہ کے بعد آپؐ نے سب سے پہلے جو کام کیا وہ تبلیغی وفود بھیجنے کا نہیں' بلکہ چھاپہ مار دستے بھیجنے کا تھا۔

موجودہ دور میں جہاد بالقوۃ کی عملی صورت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قوت و طاقت کے ساتھ جو جہاد کیا وہ دو طرفہ تھا۔ صحابہ کرامؓ نے بدر' احد' حنین' احزاب' خیبر اور تبوک کے غزوات میں "یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ" (وہ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں' پھر قتل کرتے بھی ہیں اور قتل ہوتے بھی ہیں!) کی عملی تصویر پیش کر کے دکھا دی۔ لیکن جہاں تک میں نے غور کیا ہے آج ہمارے لئے 'جہاد بالقوۃ' کی عملی صورت یکطرفہ ہوگی' یعنی کسی کی جان لیں گے نہیں' صرف اپنی جانیں دینے کے لئے سر سے کفن باندھ کر میدان میں نکل آئیں گے اور منکرات کو چیلنج کریں گے کہ ہم جیتے جی یہ خلاف شرع کام نہیں ہونے دیں گے۔ یہ موجودہ درپیش حالات کے تقاضوں کے مطابق 'جہاد بالقوۃ' کی ایک اجتہادی شکل ہے۔ اس اجتہادی صورت کی ضرورت دو وجوہ سے پیش آئی ہے:

ایک یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقابلہ کفار

کے ساتھ تھا۔ آج ہمارے معاشرے میں اسلامی انقلاب کی راہ میں جو لوگ مزاحم ہیں وہ بہرحال مسلمان ہیں۔ حال یہ ہے کہ اسلامی سزاؤں کو یہ وحشیانہ قرار دیتے ہیں' ستر و حجاب کے احکام ان کے لئے قابل قبول نہیں' سود جیسی لعنت کو گلے کا ہار بنائے بیٹھے ہیں اور اس کا خاتمہ انہیں گوارا نہیں۔ یہ لوگ مصطفوی نظام کے قیام کو اپنے مفادات پر پڑنے والی سب سے کاری ضرب سمجھتے ہوئے اس کے نفاذ کے مخالف ہیں۔ لیکن اس سب کے باوجود ہیں تو مسلمان...... آخر کلمہ گو ہیں' نام مسلمانوں کے سے ہیں' عقیقہ اور ختنہ ہوا ہے' مزاروں پر جا جا کے چادریں چڑھاتے ہیں' لہٰذا قانوناً مسلمان ہیں۔ ویسے بھی اہل سنت کا یہ اصولی موقف ہے کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب فاسق و فاجر مسلمان بھی کافر نہیں ہوتا۔ چنانچہ ان حالات میں اجتہاد کی ضرورت ہے اور میں اس اجتہاد کا قائل ہوں۔

اسلام میں اُس نام نہاد اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں کہ بلا ضرورت خواہ مخواہ زبان سے کچھ غیر محتاط اور غیر ذمہ دارانہ الفاظ ادا کر کے اُسے اجتہاد کا نام دے دیا جائے۔ اجتہاد کی حقیقی ضرورت وہاں پیش آتی ہے جہاں نئی قسم کی صورتحال پیدا ہو جائے اور اجتہاد میں بہرصورت خطا کا امکان بھی ہوتا ہے۔ اگر صورتحال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی سی ہو تو وہاں اجتہاد کا نام لینا حماقت ہے۔ ہمارے حالات چونکہ اُس وقت کے حالات سے بہت مختلف ہیں لہٰذا یہاں اجتہاد ناگزیر ہے۔

اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اِس وقت فریقین میں تعداد اور قوت کے اعتبار سے فرق و تفاوت بہت زیادہ ہو چکا ہے' جبکہ آنحضورؐ کے دور میں یہ فرق و تفاوت اس قدر نہ تھا۔ غزوۂ بدر میں تین سو تیرہ اہل ایمان کے مقابلے میں ایک ہزار کفار تھے۔ یعنی تعداد کے لحاظ سے ایک نسبت تین کا معاملہ تھا۔ مسلمان بے سروسامانی کے عالم میں تھے۔ ان کے پاس کل ستر اونٹ' دو گھوڑے اور چند شمشیریں تھیں' جبکہ لشکرِ کفار میں سازو سامان ان سے بیسیوں گنا زیادہ تھا۔ لیکن اس سب کے باوجود تعداد اور قوت میں کوئی نہ کوئی نسبت تناسب کا معاملہ بہرحال موجود تھا۔ ایک اور بیس کی نسبت نہ سہی ایک اور پچاس کی تو ہوگی! لیکن موجودہ حالات میں انقلاب برپا کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہونے والے متوالوں اور حکومتِ وقت کے مابین وسائل اور قوت کے اعتبار سے سرے سے کوئی نسبت تناسب ہے ہی نہیں۔ عوام بالکل نہتے ہیں جبکہ حکومت کے پاس قوت و طاقت کے

تمام وسائل و ذرائع موجود ہیں۔ جدید ترین اسلحہ سے لیس مسلح افواج ' پیرا ملٹری فورسز اور قانون نافذ کرنے والے ادارے حکومت کے اختیار میں ہیں ...... اور حکومت پر عملاً ان جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کی اجارہ داری ہے جو باطل نظام کو پورا پورا تحفظ فراہم کرنا چاہتے ہیں ' اس لئے کہ اس کے ساتھ ان کے اپنے مفادات وابستہ ہیں۔ چنانچہ آج کسی جماعت یا گروہ کا حکومت سے ٹکرا جانا اور اس سے دو طرفہ تصادم مول لینا ممکن نہیں۔ ان دو وجوہ سے آج کے حالات اجتہاد کے متقاضی ہیں۔

مزید برآں دورِ جدید میں حکومت اور ریاست کا جو فرق واضح ہوا ہے وہ گزشتہ ادوار میں نہیں تھا۔ اُس وقت تک انسانی شعور کی رسائی ابھی یہاں تک نہیں ہوئی تھی کہ یہ فرق کیا جاتا کہ ریاست (STATE) اور شے ہے ' حکومت (GOVERNMENT) اور شے! حقیقت یہ ہے کہ حکومت تو ریاست کا ایک انتظامی ادارہ ہے جبکہ کسی ملک کے شہری ریاست کے وفادار ہوتے ہیں ' نہ کہ حکومت کے...... اسی طرح آج کے دور میں حکومت کا بدلنا ریاست کے عوام کا حق سمجھا جاتا ہے۔ بعض ممالک مثلاً سعودی عرب وغیرہ میں آج بھی عوام کا یہ حق حکمرانوں نے غصب کر رکھا ہے ' اور یہاں پاکستان میں بھی گیارہ برس تک عوام اس حق سے محروم رہے ہیں ' لیکن یہ آج کا مسلّمہ اصول ہے کہ حکومت کو بدلنا عوام کا حق ہے۔ جب تک یہ اصول طے نہیں ہوا تھا اُس وقت تک حکومت اور ریاست ایک وحدت سمجھی جاتی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ جب یزید کی حکومت کو تبدیل کرنے کے لئے اٹھے تو باغیٔ ریاست قرار پائے اور خود مسلمانوں نے انہیں نواسۂ رسولؐ ہونے کے باوجود قتل کر ڈالا ' حالانکہ وہ حکومت کے باغی تو تھے ' ریاست کے باغی ہرگز نہ تھے۔ مگر آج معاملہ ایسا نہیں ہے۔ آج اگر کوئی حکومت کو بدلنے کے لئے میدان میں آتا ہے تو وہ ریاست کا باغی قرار نہیں پاتا۔ ریاست کا باغی وہ ہوتا ہے جو ریاست کی سالمیت کے خلاف اقدام کرنا چاہتا ہو۔

یہ ہیں وہ تین عوامل جن کی بنا پر میں سمجھتا ہوں کہ موجودہ دور میں 'جہاد بالقوۃ' کی صورت یکطرفہ تصادم کی ہوگی۔ یعنی منظم ہو کر میدان میں نکل کر چیلنج کرنا کہ ہم فلاں فلاں منکرات اس خطۂ زمین میں نہیں ہونے دیں گے! یہ یہ کام حرام ہیں ' حکومت انہیں بند کروائے ' ورنہ ہم گھیراؤ کریں گے اور اس حکومت کو چلنے نہیں دیں گے!! لیکن اس

اقدام کی چند ناگزیر شرائط ہیں' جن میں سے اولین یہ ہے کہ یہ چیلنج پرامن مگر منظم مظاہروں کی صورت میں ہو' توڑ پھوڑ اور بدامنی سے مکمل گریز کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ یہ منظم مظاہرین اپنے اعلیٰ و ارفع مقصد کی خاطر سینوں پر گولیاں کھانے کے لئے تیار رہیں لیکن پولیس کے ساتھ گلیوں میں آنکھ مچولی نہ کھیلی جائے۔ یہ نہ ہو کہ مظاہرین پولیس پر پتھر پھینک کر اِدھر اُدھر بھاگ گئے' گلیوں میں گھس گئے اور پولیس ان کے تعاقب میں عام راہگیروں کو بھی گرفتار اور پریشان کر رہی ہو۔ اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ یہ طرز عمل نہ تو اسلام کے مطابق ہے اور نہ ہی ان طریقوں سے دنیا میں خیر کا کوئی کام ہوا ہے۔ اگر آپ کو مظاہرہ کر کے اپنے مطالبات منوانے ہیں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے مطالبات کے حق میں سینہ سپر ہو جائیے! لاٹھی چارج اور آنسو گیس سے گھبرا کر الٹے پاؤں مت بھاگئے' بلکہ سینہ کھول کر گولی کھائیے!!

یہ کام ماضی قریب میں ہماری آنکھوں کے سامنے ایرانیوں نے کر کے دکھا دیا۔ پچاس ساٹھ ہزار یا ایک لاکھ انقلابیوں نے جانیں دے دیں' لیکن اس کے نتیجے میں اڑھائی ہزار سالہ قدیم بادشاہت کے وارث' شہنشاہِ ایران' کو' جس کے پاس ایشیا کا سب سے بڑا اسلحہ خانہ تھا' اس طرح اکھاڑ پھینکا کہ بقول بہادر شاہ ظفرؔ ع

دو گز زمین بھی نہ ملی کوئے یار میں! فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ!!

اسی طرح سکھوں کی مثال لیجئے۔ ۱۹۳۰ء میں ان کی گوردوارہ پربندھک کمیٹی کی تحریک چلی تھی' جس میں دفعہ ۱۴۴ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے پرامن مظاہرہ کیا جاتا تھا۔ میرے ایک بزرگ ساتھی حاجی عبد الواحد صاحب جو اب مرحومین کی فہرست میں شامل ہو چکے ہیں اس کے چشم دید گواہ ہیں کہ سر پر لاٹھی پڑنے سے خالصہ گر جاتا' لیکن اس کا ہاتھ نہ اٹھتا تھا' کیونکہ انہیں یہی حکم دیا گیا تھا کہ ہاتھ بندھے رکھیں۔ نتیجتاً وہ تحریک کامیاب ہوئی۔ لیکن آج سکھ دہشت گرد بن چکا ہے۔ کسی منظم تحریک کی بجائے ان کا طرز عمل یہ ہے کہ کہیں بس روک کر آٹھ دس ہندوؤں کو مار دیا' کہیں آگ لگا دی۔ اور اس کا نتیجہ یہ نکل رہا ہے کہ سکھوں کو بڑی تعداد میں موت کے گھاٹ اتارا جا رہا ہے۔ اور اس طرح دو چار لاکھ سکھ مر گئے تو بھارت کو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ ان کی اتنی بڑی قربانی سے بھی خالصتان نہیں بن سکتا۔ ہاں اگر ان کی جدوجہد منظم اور پرامن ہو تو بار آور ہو

سکتی ہے۔

میں نے یہ چند مثالیں ' یکطرفہ تصادم ' کی وضاحت کے لئے پیش کی ہیں۔ اس کا اصول سمجھ لیجئے کہ خود کفن سر سے باندھنا ہوگا' گولیاں کھانی پڑیں گی' گھیراؤ کرنا ہوگا (مگر جلاؤ کی اجازت نہیں ہوگی) '' کُفُّوْا اَیْدِیَکُمْ '' کے مصداق اپنے ہاتھ بندھے رکھنے ہوں گے' مگر یہ سب کچھ ایک منظم انداز سے کرنا ہوگا...... اور ایک وقت آئے گا کہ عوام کی ' خاموش اکثریت ' (SILENT MAJORITY) کے علاوہ پولیس اور فوج بھی حکومت کی بجائے انقلابیوں کا ساتھ دے گی۔ حال ہی میں ایک موقع پر امیر جماعت اسلامی قاضی حسین احمد صاحب نے ایک لاکھ آدمی تیار کرنے کی بات کی تھی۔ اگر ان کے پاس واقعتاً ایک لاکھ تربیت یافتہ منظم افراد موجود ہوں تو میں سمجھتا ہوں کہ اس طریقے کو روبعمل لانے سے اس ملک میں انقلاب آسکتا ہے[ل]۔ اگر اس ایک لاکھ میں سے نصف بھی جانیں دینے کے لئے تیار ہو جائیں تو ان کی کامیابی یقینی ہے۔ اور ایران کے انقلاب میں غالباً اس سے زیادہ آدمی نہیں مرے۔ جگر مراد آبادی نے شراب سے تائب ہونے کے بعد ایک بڑی پیاری غزل کہی تھی جس کا ایک شعر ہے۔

یہ خون جو ہے مظلوموں کا ضائع تو نہ جائے گا لیکن
کتنے وہ مبارک قطرے ہیں جو صرفِ بہاراں ہوتے ہیں

جیسے بارش کا پانی زمین میں جذب ہونے سے ہر طرف بہار آجاتی ہے اسی طرح جب انقلابی عمل کی خون سے آبیاری ہوتی ہے تو انقلاب آتا ہے۔ اس کے بغیر انقلاب کی توقع رکھنا خود کو دھوکہ دینے کے مترادف ہے۔ یہ وسوسہ جس کسی کے ذہن میں بھی ہو اسے نکال دینا چاہئے۔ ع ایں خیال است و محال است و جنوں!

اس تمام تر نقشے کے لئے ایک بہت مضبوط تنظیم کی ضرورت ہوگی جو جمع ہونے والے افراد کی انقلابی بنیادوں پر تربیت کا اہتمام کرے۔ یہ کوئی آسان کام نہیں ہے کہ آپ کے سر پر لاٹھی پڑ رہی ہو اور آپ ہاتھ باندھے کھڑے رہیں۔ سر پر پڑنے والی

[ل] تاہم اس انقلاب کے دیرپا اور پائیدار ہونے کا انحصار اس بات پر ہوگا کہ انکی جماعت نے ' جہاد بالقرآن ' کا مرحلہ پختہ بنیادوں پر طے کیا ہے یا نہیں!

ضرب کو روک کر سر کو بچانے کے لئے ہاتھ لامحالہ اوپر اٹھتا ہے۔ اسے میڈیکل کی اصطلاح میں "Reflex Action" کہا جاتا ہے جو جبلّتِ انسانی میں سے ہے۔ انقلاب برپا کرنے کے لئے مجتمع ہونے والے افراد کی تربیت اس طرح کی جائے کہ انہیں جبلّت پر بھی قابو حاصل ہو جائے۔ اگر گالی کے جواب میں گالی دینا اور پتھر کے جواب میں پتھر مارنا ہی لازم ٹھہرا تو پھر موجودہ حالات میں انقلاب ناممکن ہے۔

اسلامی انقلاب کی جدوجہد کے لئے جو تنظیم درکار ہے اس میں صرف کارکنوں کی باہم ذہنی ہم آہنگی ہی کافی نہیں بلکہ ضروری ہے کہ اس کا ایک امیر ہو جس کی اطاعت سب پر لازم ہو۔ اس کے علاوہ اس میں ہر سطح پر Cadres معیّن ہونے چاہئیں کہ سب کو معلوم ہو کہ کس نے کس کا حکم ماننا ہے۔ پھر یہ کہ اس کا نظم کسی انجمن یا سوسائٹی کی طرز کا نہ ہو بلکہ بیعت کی بنیاد پر قائم ہو۔ یعنی معروف کے دائرے میں سب امیر کا حکم مانیں اور اس کی اطاعت کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اگرچہ ایک اعتبار سے اہل ایمان کے لئے مطاعِ مطلق کا مقام حاصل تھا کہ اللہ کی اطاعت آپؐ ہی کی اطاعت کے واسطے سے تھی، اور آپؐ کے صحابہؓ کرام تو آپؐ کے چشم و ابرو پر جانیں قربان کر دینے کے لئے تیار رہتے تھے، لیکن اس کے باوجود آپؐ نے صحابہؓ کرام سے سمع و طاعت کی بیعت لی۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ:

بایعنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی السمع والطاعۃ فی العسر والیسر والمنشط والمکرہ وعلی اثرۃ علینا وعلی ان لا ننازع الامر اھلہ وعلی ان نقول بالحق اینما کنا لا نخاف فی اللہ لومۃ لائم

(متفق علیہ)

"ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی کہ آپؐ کا ہر حکم سنیں گے اور مانیں گے، خواہ مشکل ہو یا آسان ہو، خواہ ہماری طبیعت اس کے لئے آمادہ ہو خواہ ہمیں اپنے اوپر جبر کرنا پڑے، چاہے دوسروں کو ہم پر ترجیح دی جائے اور جن کو بھی امیر بنا دیا جائے ہم ان سے جھگڑیں گے نہیں، اور ہم حق بات کہتے رہیں گے جہاں کہیں بھی ہم ہوں اور اللہ کے معاملے میں کسی ملامت گر کی ملامت سے خوف نہیں کھائیں گے"۔

اس ایک حدیث مبارک میں ایک کامل انقلابی جماعت کا منشور موجود ہے ' جبکہ ہماری ناقدری کا یہ عالم ہے کہ کوئی بھی دینی و مذہبی جماعت اس منشور کی بنیاد پر قائم نہیں ۔ ایک استثناء ہے تو صرف تنظیم اسلامی کا 'جس کی اساس اللہ کے فضل سے اس حدیث پر قائم ہے ۔ ہم نے اس میں صرف ایک لفظ (فی المعروف) کا اضافہ کیا ہے ' اس لئے کہ حضورؐ کی اطاعت تو مطلق تھی ' آپؐ اپنی ذات میں حق و باطل کا معیار تھے ' آپؐ کا ہر حکم حق ہے 'لہٰذا آپؐ کی اطاعت کو کسی شرط کے ساتھ مقید نہیں کیا جا سکتا ' لیکن آپؐ کے بعد کسی کی اطاعت بھی مطلق نہیں ' بلکہ اس کے ساتھ ' فی المعروف ' کی شرط لازماً عائد کی جائے گی ۔ یعنی یہ اطاعت معروف کے دائرے کے اندر اندر ہوگی 'کسی خلاف شریعت حکم کی تعمیل نہیں کی جائے گی ۔ مسلم شریف کی حدیث میں الفاظ وارد ہوئے ہیں : الا ان تروا کفرا بواحا عندکم فیہ من اللہ برھان ... کہ اس سمع و طاعت سے صرف اُس وقت دستکش ہوا جا سکتا ہے جب تمہیں صریحاً کفر نظر آئے اور جس کے متعلق تمہارے پاس قرآن و سنت سے صریح دلیل ہو کہ یہ کفر ہے ۔ اُس وقت کہا جائے گا : لا سمع ولاطاعۃ ۔ " نہ ہم سنیں گے ' نہ اطاعت کریں گے ! " لیکن اگر کوئی ایسا معاملہ نہیں ہے 'کوئی حکم شریعت کی حدود سے متجاوز نہیں ہے تو پھر اطاعت واجب ہے ۔

Theirs not to reason why ?

Theirs but to do and die!

سمع و طاعت پر مبنی تنظیم مصطفوی انقلاب کی شرطِ لازم ہے ۔ اس کے بغیر اگر کہیں تصادم کی نوبت آگئی تو اس سے خیر کے بجائے فساد بر آمد ہوگا ۔ ہماری تنظیم میں بھی بعض لوگ اس کی جلدی مچائے ہوئے ہیں 'مگر ابھی تو ہمیں اس سے پہلے کے مراحل ٹھیک طور سے طے کرنا ہیں ۔ ابھی تو ہمیں قرآن کے مقناطیس کو گردش میں لانا ہے ' پھر اس کے ساتھ چمٹ کر جمع ہو جانے والوں کو قرآن حکیم ہی کے ذریعے تزکیہ و تربیت کی منزل سے گزرنا ہے ' پھر انہیں بیعت کی بنیاد پر اس طور سے منظم کرنا ہے کہ ان میں سننے اور ماننے (Listen and Obey!) کا مادّہ پیدا ہو جائے ۔ دین کا نفاذ پہلے وہ اپنے وجود پر کریں اور پھر اللہ کے کلمے کی سربلندی کے لئے وہ سینوں پر گولیاں کھانے کے لئے تیار ہوں کہ ۔

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن
نہ مالِ غنیمت ' نہ کشور کشائی !

یہ سب کچھ کہہ دینا بہت آسان مگر اس پر عمل بہت مشکل ہے۔ اور یہ کام ایک منظم اور مضبوط انقلابی تنظیم کے بغیر ممکن نہیں۔

جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں جہاد بالقوۃ یا تصادم کی دو صورتیں ہیں۔ ایک دو طرفہ تصادم ہے جسے قِتال کہا جاتا ہے۔ یعنی دو فوجیں ایک دوسرے کو قتل کرنے کے ارادے سے آمنے سامنے ہوں۔ اور دوسرا ہے یکطرفہ تصادم کہ ہم اپنی جانیں دینے کے لئے سر سے کفن باندھ کر میدان میں آ جائیں اور اپنے موقف پر ڈٹے رہیں لیکن فریق مخالف پر ہاتھ نہ اٹھائیں۔ قتال کی بہترین تعبیر سورۃ التوبہ کی آیت ۱۱۱ میں بایں الفاظ ملتی ہے:

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ

"یقیناً اللہ نے اہل ایمان سے ان کی جانیں اور ان کے مال جنت کے عوض خرید لئے ہیں۔ وہ اللہ کی راہ میں قتال کرتے ہیں، پھر قتل کرتے بھی ہیں اور قتل ہوتے بھی ہیں"

تو یہ دو طرفہ معاملہ ہے، اور سیرتِ نبویؐ کے مدنی دور میں ہمیں یہی صورت نظر آتی ہے۔ بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ قتال کا آغاز ۲ھ میں ہوا مگر درحقیقت یہ تو ہجرت کے بعد پہلے ہی سال میں شروع ہو گیا تھا۔ غزوۂ بدر سے بھی پہلے آپؐ نے مختلف اوقات میں آٹھ چھاپہ مار دستے مختلف مہموں پر روانہ فرمائے، جس کی پوری تفصیل "منہجِ انقلابِ نبوی" میں بیان کی جا چکی ہے۔ اگر حالات اُسی نوعیت کے ہوں کہ جن سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سابقہ تھا تو یقیناً دو طرفہ قتال کا مرحلہ آ کر رہے گا لیکن اگر صورت مختلف ہو اور مقابلے میں بھی کلمہ گو افراد ہوں تو پھر یکطرفہ قتال کی وہ شکل ہوگی جو میں تفصیل سے بیان کر چکا ہوں کہ پھر 'نہی عن المنکر' کو بنیاد بنا کر ہمیں انقلابی جدوجہد کرنی ہوگی اور منکرات و فواحش کے خلاف بنیانِ مرصوص بننا ہوگا۔

میں بارہا عرض کر چکا ہوں کہ میرے یہ تصورات و نظریات قرآن و سنّت پر مبنی ہیں اور اسی لئے میں ہمیشہ انہیں قرآن و حدیث کے حوالے ہی سے بیان کرتا ہوں۔ لیکن اس سے بعض لوگوں کو مغالطہ ہوتا ہے کہ یہ تو نری مذہبی بات ہے، اس میں انقلاب کی بات ہی نہیں۔ تو اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ انقلاب کا یہ نظریہ اور تصور میرے اپنے ذہن

کی پیداوار نہیں ہے' بلکہ قرآن و سنت سے اخذ کردہ ہے...... اور مصطفوی انقلاب کے تمام مراحل میں نے سیرتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسلام سے حاصل کئے ہیں۔ ہمارے موجودہ حالات کے مطابق اس میں ایک جگہ جہاں اجتہاد کی ضرورت ہے اس کی میں نے نشاندہی کر دی ہے اور اس کے اصول بیان کر دیئے ہیں۔ اب میں پورے اعتماد سے کہہ سکتا ہوں کہ انقلابِ اسلامی کے لئے اس سے بڑھ کر اور کوئی لائحہ عمل نہیں' اب ضرورت صرف اسے روبعمل لانے کی ہے۔ اس کی تفصیلات میں ترمیم کی گنجائش رہے گی' مثلاً تربیت گاہوں کا نظام کیا ہو؟ اس کے لئے گشتی جماعتیں تشکیل دی جائیں یا کیمپ منعقد کئے جائیں۔ مگر اصل منصوبہ مکمل ہے' اسے پوری طرح ذہن میں رہنا چاہئے۔

'نہی عن المنکر' کی بنیاد پر انقلابی جدّوجہد' احادیث کی روشنی میں

اب اس کام کی اہمیت کے ضمن میں دو احادیث نوٹ کر لیجئے: پہلی حدیث حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ' فان لم یستطع فبلسانہ' فان لم یستطع فبقلبہ' وذلک اضعف الایمان (رواہ مسلم)

"جو کوئی بھی تم میں سے کسی منکر کو دیکھے تو وہ اپنے (زور) بازو سے اسے بدلے! اگر اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو اپنی زبان سے (اس برائی کو روکے)! پھر اگر اس کی استطاعت بھی نہ ہو تو پھر اپنے دل سے (اس پر تشویش زدہ ہو)!! اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے"۔

جہاد بالقرآن کے نتیجے میں جو سعید روحیں جمع ہو جائیں ان کی تربیت میں زبان کی تربیت بھی شامل ہے تاکہ وہ برائی کے خلاف اپنی زبان کھولیں' نہی عن المنکر باللّسان کریں۔ پھر انہیں طاقت فراہم کی جائے اور اس کے بعد بیعت کا بٹ دے کر انہیں باطل کے سر پر دے مارا جائے۔ جیسا کہ سورۃ الانبیاء میں فرمایا گیا:

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ

"بلکہ ہم حق کو باطل پر دے مارتے ہیں تو وہ اس کا بھیجا نکال دیتا ہے' پھر باطل اسی

دم ملیا میٹ ہو جاتا ہے!"

دوسری حدیث میں اس سے بھی زیادہ واضح طور پر 'جہاد بالقوۃ' کی ہدایت دی گئی ہے اور ایسے برسراقتدار طبقہ کے خلاف ہاتھ' زبان اور دل سے جہاد کا حکم دیا گیا ہے جو انبیاء کی لائی ہوئی تعلیمات سے انحراف کرتا ہے۔ یہ حدیث بھی مسلم شریف کی ہے اور اسے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مامن نبی بعثہ اللہ فی امتہ قبلی الا کان لہ من امتہ حواریون واصحاب یاخذون بسنتہ ویقتدون بامرہ

"کوئی نبی ایسے نہیں گزرے جنہیں اللہ نے مجھ سے پہلے کسی امت میں مبعوث کیا ہو۔ مگر یہ کہ اس کے لئے اس کی امت میں سے کچھ (لوگ نکلتے تھے جو) حواری اور اصحاب ہوتے تھے۔ وہ اس کی سنّت کو مضبوطی سے پکڑتے اور اس کے حکم کے مطابق چلتے تھے"۔

ثم انہا تخلف من بعدھم خلوف یقولون مالا یفعلون و یفعلون مالا یؤمرون

"(پھر ہمیشہ ایسا ہوتا رہا کہ) ان کے بعد ایسے ناخلف لوگ آجایا کرتے تھے جو کہتے وہ تھے جو کرتے نہیں تھے ...... اور کرتے وہ تھے جس کا انہیں حکم نہیں دیا گیا تھا"۔

فمن جاھدھم بیدہ فھو مؤمن' ومن جاھدھم بلسانہ فھو مؤمن ومن جاھدھم بقلبہ فھو مؤمن' ولیس وراء ذالک من الایمان حبۃ خردل

"تو جو شخص ایسے لوگوں کے ساتھ جہاد کرے گا اپنے ہاتھ سے تو وہ مومن ہے۔ اور جو ان سے جہاد کرے گا اپنی زبان سے تو وہ مومن ہے۔ اور جو ان سے جہاد کرے گا اپنے دل سے تو وہ بھی مومن ہے۔ اور اس کے بعد تو ایمان رائی کے دانے کے برابر بھی نہیں!"

اور یہی وہ طبقہ ہے جو آج تمام مسلمان ممالک میں برسراقتدار ہے ...... اور برسراقتدار سے میری مراد یہ نہیں کہ جو اس وقت حکومت میں ہے' بلکہ میری نظر میں حزبِ اختلاف اور حزبِ اقتدار دونوں برسراقتدار ہیں۔ حکومت تو PING PONG کا ایک کھیل ہے جو سرمایہ داروں' وڈیروں اور لٹیروں کے درمیان جاری ہے۔ یہی ایک ہی استحصالی

طبقہ ہے جس میں سے کچھ لوگ اِدھر ہوتے ہیں اور کچھ اُدھر۔ یہ سب اصلاً ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ پورے عالم اسلام میں جب تک ان کے خلاف ' جہاد بالقوۃ ' نہیں ہوگا' ہم ان کے تسلط سے نجات حاصل نہیں کر سکتے۔ اور یہ میں پوری وضاحت سے عرض کر چکا ہوں کہ موجودہ حالات میں جہاد کی صورت قتال کی نہیں ' بلکہ یکطرفہ تصادم کی ہوگی۔ بدعات ' رسومات ' منکرات اور فواحش کے خلاف ایک تحریکِ مزاحمت برپا کرنا ہوگی اور منظم ہو کر جان پر کھیل جانے کے ارادے سے سر پر کفن باندھ کر میدان میں آنا ہوگا۔ یہی وہ راستہ ہے جس پر چل کر ہم وطنِ عزیز پاکستان میں اور بالآخر پوری دنیا میں نظامِ مصطفےٰ ' اسلامی نظام ' انقلابِ اسلامی یا مصطفوی انقلاب برپا کر سکتے ہیں۔ دوسرے تمام راستے بلاشبہ وقت اور صلاحیتوں کے ضیاع کے علاوہ ہمیں اور کچھ نہیں دے سکتے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو اس کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔

آخر میں میں یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ میرے دروس و خطابات میں شرکت کرنے والے حضرات اور ہمارے لٹریچر کا مطالعہ کرنے والے احباب پر میری طرف سے حجّت قائم ہو چکی ہے۔ میں نے ان کے سامنے قرآن و حدیث کی روشنی میں دینی فرائض کا جامع تصور اور سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے جہاد اور اسلامی انقلاب کے مراحل و مدارج بار بار مختلف انداز اور متنوع اسلوب سے بیان کر دیئے ہیں۔ ہمیں اپنی دینی ذمہ داریوں کا احساس کرتے ہوئے مثبت خطوط پر قدم آگے بڑھانے ہوں گے۔ اسی طرح ہم اس کی رحمت کے مستحق بن سکتے ہیں۔ بصورت دیگر ہمیں قرآن حکیم میں وارد شدہ اس طرح کی وعیدوں پر نظر رکھنی چاہئے کہ:

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ (السجدۃ: ۲۲)

"پھر اس شخص سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا جسے اس کے رب کی آیات کے ذریعے تذکیر کروائی گئی تو اس نے ان سے اعراض کیا۔ ایسے ظالموں سے تو ہم لازماً انتقام لے کے رہیں گے!"

اب یہ فیصلہ آپ کو کرنا ہے کہ آپ اپنے آپ کو کس صف میں کھڑا کرنا پسند کرتے ہیں...
... اللہ تعالیٰ کی رحمت کے امیدواروں کی صف میں یا اُن لوگوں کی صف میں جن کے حق میں اللہ منتقم ہے!!

اقول قولی ھذا واستغفر اللہ لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات

إنْ شَاءَ اللهُ العَزِيز امسال تنظیم اسلامی پاکستان کا

سالانہ اجتماع

۲۲ر تا ۲۵ر فروری ۹۱ء کراچی میں منعقد ہو گا!

∴ رفقائے تنظیم ابھی سے لازماً شرکت کا اہتمام شروع کر دیں۔

∴ مقامی امراء اور منفرد رفقاء اپنی آمد و روانگی کے پروگرام اور شرکاء کی متوقع تعداد سے ناظم اجتماع سید محمد نسیم الدین صاحب امیر تنظیم اسلامی کراچی کو دفتر تنظیم اسلامی ۱۱۔ داؤد منزل، نزد آرام باغ، شاہراہ لیاقت کراچی کے پتہ پر یکم فروری ۹۱ء سے قبل مطلع فرمائیں۔

—— : مزید برآں : ——

سالانہ اجتماع سے متصلاً قبل ۱۵ر تا ۲۱ر فروری ۹۱ء کراچی ہی میں رفقائے تنظیم کے لیے ایک **تربیت گاہ** منعقد ہو گی!

* مبتدی رفقاء کی زیادہ سے زیادہ تعداد کو اس میں شرکت کرنی چاہیئے۔
* بالخصوص بیرونِ پاکستان تنظیموں کے مقامی امراء لازماً اور رفقاء حتی الامکان شرکت کی بھرپور کوشش کریں۔
* متوقع شرکاء اپنے پروگرام سے ناظم اجتماع کو ۲۰ر جنوری سے قبل مطلع کریں۔

نوٹ : شرکاءِ اجتماع اپنی ضرورت کی اشیاء مثلاً مناسب بستر، پلیٹ، کپ وغیرہ ہمراہ لائیں گے۔ اجتماع گاہ چونکہ سمندر کے قریب ہو گی، لہٰذا ہلکی خنکی متوقع ہے۔

المعلن : (ڈاکٹر) عبدالخالق۔ ناظم اعلیٰ تنظیم اسلامی پاکستان

اپنی پوری افادیت اور تاثیر کے ساتھ نزلہ، زکام اور کھانسی کی مفید دوا

سُعالین

استینڈرڈ پیکنگ کے علاوہ پچاس ٹکیوں کی ایک اسٹرپ
اب خوشنما پلاسٹک گلاس میں بھی دستیاب ہے۔

موسمِ سرما کی آمد۔ نزلہ، زکام اور کھانسی کا دور دورہ۔
سُعالین کا پلاسٹک گلاس پیک آج ہی خرید لیجیے تاکہ گھر کے ہر فرد کو
بوقتِ ضرورت سُعالین دستیاب رہے۔

جڑی بوٹیوں کا مفید مرکب **سُعالین** نزلہ، زکام، کھانسی اور گلے کی خراش کا علاج بھی ہے اور ان سے بچاؤ کی تدبیر بھی۔

دیانت داری خود اعتمادی پیدا کرتی ہے

Adarts-SUA-1/90

جہاد و قتال فی سبیل اللہ کے موضوع پر
قرآن حکیم کی جامع ترین سورۃ
سورۃ الصّف

(۴)

نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا مقصدِ بعثت
غلبۂ دینِ حق

بسم اللہ اوّلہ وآخرہٗ! سورۃ الصف کی آیت ۹ "ھُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ" ہمارے زیرِ درس ہے۔ پچھلے سبق میں ہم نے بحمد اللہ 'دِیْنِ الحق' تک کسی درجے میں غور مکمل کر لیا تھا۔ اب آئیے اگلے لفظ 'لِیُظْھِرَہٗ' کی طرف جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصدِ بعثت کی تعیین میں بہت اہمیت رکھتا ہے! یہ لفظ درحقیقت ایک فعل، اس کے فاعل، اس کے مفعول اور ایک حرفِ لام پر مشتمل ہے۔

'لِیُظْھِرَہٗ' کا مفہوم

اس کا لفظی ترجمہ ہوگا "تاکہ وہ غالب کر دے اس کو"۔ اس میں جو ضمیریں وارد ہوئی ہیں اُن کے بارے میں مفسرین کے ہاں ایک سے زائد آراء موجود ہیں۔ چنانچہ اس لفظ کا ہمیں تفصیلاً تجزیہ کرنا ہوگا۔ ایک ترجمہ اس کا یہ کیا گیا ہے کہ "تاکہ اللہ غالب کر دے اِس

دین کو۔اسی طرح یہ ترجمہ بھی کیا گیا ہے کہ "تاکہ اللہ غالب کر دے محمد کو (صلی اللہ علیہ وسلم) ۔اور ایک ترجمہ یوں بھی کیا گیا ہے "تاکہ محمدؐ غالب کر دیں اس دین کو!" ——— ضمیر فاعلی اور ضمیر مفعولی کے مراد مختلف معین کرنے کی وجہ سے درحقیقت ترجموں میں یہ فرق واقع ہوا ہے' لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس لفظی فرق کے باوجود اس کے اصل مفہوم اور معنیٰ میں ہرگز کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ لفظ 'اظہار' پر غور کیجیے۔ 'ظَھَرَ یَظْھَرُ' کا مفہوم ہے کسی چیز کا ظاہر ہو جانا۔ اور اسی میں ایک مفہوم غالب ہو جانے کا بھی شامل ہے۔ اس لیے کہ کوئی چیز نمایاں اور ظاہر اس وقت ہوتی ہے جب کہ وہ اپنے ماحول پر غالب ہوتی ہے۔ اسی سے باب افعال میں مصدر بنا 'اظہار' یعنی غالب کر دینا۔ اس کو اس طرح بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ عربی زبان میں 'ظَھر' کہتے ہیں پیٹھ کو۔ کسی کی پیٹھ پر سوار ہو جانا اُس پر غالب ہونے کے مترادف ہے۔ تو اظہار کا یہ مفہوم مسلّم ہے۔

'لِیُظْھِرَہٗ' کی ضمیر فاعلی کے بارے میں جو دو رائیں ہیں ان پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ ان کا مدلول ایک ہی ہے۔ چنانچہ 'غالب کرنے والا' خواہ اللہ کو قرار دیا جائے خواہ رسولؐ کو' حقیقت کے اعتبار سے کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ ہمارا یہ ایمان ہے کہ فاعلِ حقیقی تو صرف اللہ ہی ہے۔ اگرچہ اس دنیا میں بظاہر ہم محنت و مشقت سے روزی کماتے ہیں لیکن ہمارا رازق اللہ ہے۔ انسان تو محض کاسبِ اعمال ہے' خالقِ اعمال صرف اللہ ہے۔ چنانچہ اس عملِ اظہار کے کرنے والے عالمِ اسباب میں محمد رسول اللہ ہیں' صلی اللہ علیہ وسلم' اور عالمِ حقیقت میں اس کا فاعل اللہ ہے۔ لہٰذا مراد اور معنی کے اعتبار سے ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے جس طرح کہ سورۃ الانفال میں غزوۂ بدر کے حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا گیا: "فَلَمْ تَقْتُلُوْھُمْ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ قَتَلَھُمْ وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی" کہ اے مسلمانو یہ ستر سردارانِ قریش جو تمہارے ہاتھوں واصلِ جہنم ہوئے ہیں' انہیں تم نے قتل نہیں کیا بلکہ درحقیقت اللہ نے انہیں قتل کیا ہے' اور اے نبی وہ مٹھی بھر کنکر جو آپ نے پھینکے تھے لشکرِ کفار کی طرف تو وہ آپ نے نہیں پھینکے تھے' اللہ نے پھینکے تھے۔ معلوم ہوا کہ عالمِ واقعہ میں یا بالفاظِ دیگر عالمِ اسباب میں غلبۂ دین کے لیے محنت' جدوجہد' سرفروشی اور جہاد و قتال کرتے نظر آتے ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جاں نثار' لیکن حقیقت کی سطح پر فاعلِ حقیقی صرف اللہ ہے۔ اسی طرح کا معاملہ 'لِیُظْھِرَہٗ'

میں شامل ضمیر مفعولی کا ہے۔ چنانچہ اس سے خواہ دین کو غالب کرنا مراد لیا جائے چاہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو، مفہوم میں کوئی فرق واقع نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ آنحضورؐ کی جدوجہد کا مقصود ہرگز اپنی ذات کا غلبہ نہ تھا۔ اپنی یا اپنے خاندان کی حکومت قائم کرنے کے لیے یہ بھاگ دوڑ اور سعی وجہد ہرگز نہ تھی۔ رسولؐ کا غلبہ درحقیقت اللہ کے دین کا غلبہ تھا۔ لہٰذا لفظی ترجمہ چاہے جو بھی کیا جائے اور ضمیروں کے مراجع کے بارے میں خواہ کوئی بھی رائے قائم کی جائے، مفہوم ایک ہی رہے گا۔ اب تک اس آیۂ مبارکہ میں جو کچھ مضمون آیا ہے اُسے ذہن میں تازہ کر لیجیے۔ اللہ نے بھیجا اپنے رسول کو دو چیزیں دے کر (۱) الھدیٰ اور (۲) دین حق۔ کیوں بھیجا؟ اس کا جواب درحقیقت اس لفظ "لِيُظْهِرَهٗ" میں بیان ہوا ہے۔ اس لیے بھیجا تاکہ اِس دین حق کو غالب کر دے پورے نظام زندگی پر (عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ)۔ لفظ دین کے ترجمے میں بھی ہمارے ہاں کچھ اختلاف رہا ہے۔ بعض لوگوں نے 'تمام ادیان' ترجمہ کر دیا ہے، بعض نے 'سب دین' ترجمہ کیا ہے' اسی طرح بعض لوگوں نے اس سے کل دین اور بعض نے 'جنسِ دین' مراد لیا ہے' یہ مؤخر الذکر ترجمہ درحقیقت اصل مفہوم سے سب سے زیادہ قریب ہے۔ گویا اس کا اصل مفہوم اور معنی یہ ہوگا کہ یہ دین حق غالب ہو جائے پورے جنس دین پر' پورے نظام زندگی پر اللہ کا نظام اس شان سے قائم ہو جائے کہ انسانی زندگی کا کوئی بھی گوشہ اس سے مستثنیٰ نہ رہے۔ اللہ کا عطا کردہ نظام عدل وقسط زندگی پر بحیثیت ایک وحدت اور ایک 'ORGANIC WHOLE' کے نافذ وغالب ہو جائے۔ یہ ہے مقصد محمد رسول اللہ کی بعثت کا۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)۔

'دین' اور 'مذہب' میں فرق

یہاں یہ بات بھی ذہن میں رکھیے کہ لفظ 'مذہب' اور لفظ 'دین' میں مفہوم کے اعتبار سے بڑا فرق ہے۔ اگرچہ ہمارے ہاں عام طور پر اسلام کو مذہب کہا جاتا ہے لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ پورے قرآن مجید میں اور حدیث کے پورے ذخیرے میں اسلام کے لیے مذہب کا لفظ کہیں استعمال نہیں ہوا' بلکہ اس کے لیے ہمیشہ 'دین' ہی کا لفظ مستعمل ہوا ہے۔ سورۂ آل عمران میں فرمایا گیا: "اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ" کہ اللہ کی بارگاہ میں مقبول دین تو صرف اسلام ہے ـــــ دین اور مذہب میں بنیادی فرق کو سمجھ لیجیے! ـــــ مذہب

ایک جزوی حقیقت ہے۔ صرف یہ چند عقائد (DOGMA) اور کچھ مراسمِ عبودیت (RITUALS) کے مجموعے کا نام ہے۔ جبکہ دین سے مراد ہے ایک مکمل نظام جو زندگی کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہو۔ گویا مذہب کے مقابلے میں دین ایک بڑی اور جامع حقیقت ہے۔ اس پس منظر میں اگرچہ یہ کہنا تو شاید درست نہ ہوگا کہ اسلام مذہب نہیں ہے، اس لیے کہ مذہب کے جملہ ELEMENTS بھی اسلام میں شامل ہیں، اس میں عقائد کا عنصر بھی ہے، ایمانیات ہیں، پھر اس کے مراسمِ عبودیت ہیں، نماز، روزہ ہے، حج اور زکوٰۃ ہے، چنانچہ صحیح یہ ہوگا کہ یوں کہا جائے کہ اسلام صرف ایک مذہب نہیں، ایک دین ہے۔ اس میں جہاں مذہب کا پورا خاکہ موجود ہے وہاں یہ ایک مکمل نظامِ زندگی بھی ہے۔ بلکہ اصلاً یہ دین ہے۔ اب اس حوالے سے ایک اہم حقیقت پر غور کیجیے! کسی ایک خطۂ زمین میں مذاہب تو بیک وقت بہت سے ہو سکتے ہیں لیکن دین ایک وقت میں صرف ایک ہی ہو سکتا ہے۔ نظام تو ایک ہی ہوگا۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام اور اشتراکی نظام کسی خطہ زمین پر یا کسی ایک ملک میں بیک وقت قائم ہوں!۔ حاکمیت (SOVEREIGNTY) تو کسی ایک ہی کی ہوگی۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ملوکیت اور جمہوریت دونوں بیک وقت کسی ملک میں نافذ ہو جائیں۔ نظام ایک ہی رہے گا۔ اللہ کا نظام ہوگا یا غیر اللہ کا ہوگا۔ نظام دو نہیں ہو سکتے جبکہ ایک خطۂ زمین میں مذاہب بیک وقت بہت سے ممکن ہیں[1]۔ ہاں نظاموں کے ضمن میں ایک امکانی صورت پیدا ہو سکتی ہے کہ ایک نظام غالب و برتر ہو اور وہی حقیقت میں 'نظام' کہلائے گا، اور دوسرا نظام سمٹ کر اور سکڑ کر ایک مذہب کی شکل اختیار کر لے اور اس کے تابع زندگی گزارنے پر آمادہ ہو جائے یہ ہے درحقیقت ایک امکانی حالت! میرا ذہن منتقل ہوا علامہ اقبال کے اس شعر کی طرف کہ: ؎

بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اِک جوئے کم آب
اور آزادی میں بحرِ بیکراں ہے زندگی!

---

[1] یہ بات اس حقیقت سے بہت مشابہ ہے جو ایک کہاوت کے طور پر بیان کی جاتی ہے کہ دس درویش ایک گدڑی میں گزارا کر سکتے ہیں لیکن دو بادشاہ ایک سلطنت میں اکٹھے نہیں رہ سکتے!

دین کب مذہب کی شکل اختیار کرتا ہے؟

دین جب مغلوب ہوتا ہے تو ایک مذہب کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اس صورت میں وہ دین نہیں رہتا بلکہ مذہب بن جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے اسلام کے دورِ عروج میں غالب نظام تو اسلام کا تھا لیکن اس دین کے تابع یہودیت، مجوسیت اور نصرانیت مذاہب کی حیثیت سے برقرار تھے۔ انہیں یہ رعایت دی گئی تھی اور صاف الفاظ میں سنا دیا گیا تھا کہ اگر وہ اسلامی سلطنت کی حدود کے اندر رہنا چاہتے ہیں تو انہیں اپنے ہاتھ سے جزیہ دینا اور چھوٹے بن کر رہنا ہوگا۔ " یُعْطُوا الْجِزْیَۃَ عَنْ یَّدٍ وَّھُمْ صٰغِرُوْنَ ؀ " (توبہ : ۲۵) ملکی قانون (LAW OF THE LAND) اللہ کا ہوگا، غالب نظام اللہ کا ہوگا، اس کے تحت اپنے پرسنل لاء میں اور اپنی ذاتی زندگی میں محدود سطح پر وہ اگر اپنے مذاہب اور اپنے اپنے عقائد و رسوم کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہیں تو اس کی انہیں اجازت ہوگی ـــــــ اسلام کے دورِ زوال و انحطاط میں یہ صورت برعکس ہوگئی۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ اس برصغیر میں دین انگریز کا تھا" LAW OF THE LAND اُس کا تھا۔ دینِ انگریز کے تحت اسلام نے سمٹ کر ایک مذہب کی صورت اختیار کر لی تھی۔ نمازیں جیسے چاہو پڑھو انگریز کو کوئی اعتراض نہ تھا، اذانیں بخوشی دیتے رہو، وراثت اور شادی بیاہ کے معاملات بھی اپنے اصول کے مطابق طے کر لو، لیکن ملکی قانون انگریز کی مرضی سے طے ہوگا۔ یہ معاملہ تاجِ برطانیہ کی SOVEREIGNTY کے تحت ہوگا اس میں تم مداخلت نہیں کر سکتے! یہ تھا تصور جس کے بارے میں علامہ اقبال نے بڑی خوبصورت پھبتی چست کی تھی ؎

ملّا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد!

اسلام آزاد کہاں ہے! وہ سمٹ سکڑ کر اور اپنی اصل حقیقت سے بہت نیچے اتر کر ایک مذہب کی شکل میں باقی ہے! اللہ اللہ اور خیر سلّا۔

نفاذِ دین کے بغیر اتمامِ حجت ممکن نہیں!

ـــــــ دین ہے ہی وہ کہ جو غالب ہو۔ مغلوب ہے تو وہ دین نہیں رہے گا۔ بلکہ ایک مذہب کی صورت میں سمٹ جائے گا، سکڑ جائے گا۔

اس کی اصل حیثیت مجروح ہو جائے گی۔ اس پہلو سے غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ اعلیٰ سے اعلیٰ نظام بھی اگر صرف نظری اعتبار سے پیش کیا جا رہا ہو، صرف کتابی شکل میں نسلِ انسانی کو دیا گیا ہو تو وہ ایک خیالی جنّت (UTOPIA) کی شکل تو اختیار کر سکتا ہے لیکن حجت نہیں بن سکتا۔ نوعِ انسانی پر حجت وہ صرف اسی وقت بن سکتا ہے جب اسے قائم کر کے، نافذ کر کے اور چلا کر دکھا دیا جائے۔ یہ ہے بعثتِ نبویؐ کی وہ امتیازی شان اور وہ کٹھن ذمّے داری جو محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم پر عائد ہوئی کہ آپؐ جو دینِ حق دے کر بھیجے گئے ہیں اسے پورے نظامِ زندگی پر غالب و قائم اور نافذ و رائج فرما دیں۔ ایک حدیث مبارک میں اس حقیقت کو یوں تعبیر فرمایا گیا کہ: " لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللهِ هِيَ الْعُلْيَا "۔ تاکہ اللہ کی بات ہی سب سے بلند ہو، اس کی مرضی سب سے بالاتر ہو اور اس کا جھنڈا سب سے اونچا ہو جائے۔

سورۃ المدثّر میں اس اہم مضمون کو دو الفاظ میں سمو لیا گیا ہے: يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ کہ اے لحاف میں لپٹ کر لیٹنے والے (صلّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلّم) کھڑے ہو جاؤ، کمربستہ ہو جاؤ، اپنے مشن کی تکمیل کے لیے جد و جہد کا آغاز کر دو! اور اس کا نقطۂ آغاز کیا ہے؟ ——— انذار! ——— خبردار کرو، اُن نیند کے ماتوں کو جگاؤ۔ جو بھول گئے ہیں اِس حقیقت کو کہ اصل زندگی موت کے بعد ہے۔ " وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ " (ترجمہ: " اور یقیناً آخرت کا گھر ہی اصل زندگی ہے، کاش کہ انہیں معلوم ہوتا ") یہ ہے نبیؐ کے مشن کا نقطۂ آغاز! ——— اور اِس کا ہدف، مقصود اور اس کی غایتِ قصوٰی کیا ہے؟ ——— " وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ " ترجمہ " اور اپنے رب کو بڑا کرو! " تکبیر کے معنی صرف یہ نہیں کہ بڑائی کا اعلان یا اعتراف کر لیا جائے، زبان سے اللّٰہُ اکبر کہہ دیا جائے بلکہ تکبیر سے مقصود یہ ہے کہ اس تعؔ کی بڑائی نافذ ہو جائے، اس کی کبریائی کے اعتراف پر مبنی نظام بالفعل قائم ہو جائے، اُسی تعؔ کی بات سب سے اونچی اور اسی کا حکم سب سے بالا ہو۔ یہ ہے تکبیرِ رب کا حقیقی مفہوم! ——— علامہ اقبال نے بڑے خوبصورت انداز میں تکبیرِ رب کے اس انقلابی تصوّر کو شعر کا لبادہ اوڑھایا ہے:

؎ یا وسعتِ افلاک میں تکبیرِ مسلسل — یا خاک کی آغوش میں تسبیح و مناجات
وہ مسلکِ مردانِ خود آگاہ خدا مست — یہ مذہبِ مُلّا و جمادات و نباتات!

اسی مضمون کو کسی قدر ظریفانہ انداز میں یُوں بیان کیا۔

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں
کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور
الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن
مُلّا کی اذاں اور، مجاہد کی اذاں اور

تکبیرِ رب کا کچھ یہی مفہوم حضرت مسیح علیہ السلام کے ان الفاظ میں بھی سامنے آتا ہے کہ " اے رب جیسے تیری مرضی آسمانوں پر پوری ہوتی ہے ویسے ہی زمین پر بھی پوری ہو۔"

دینِ حق کا نفاذ انقلابی جدّوجہد کا متقاضی ہے

یہ بات ذہن میں رکھیے کہ سورۃ الصف کی زیرِ نظر آیت کے حوالے سے نبی اکرمؐ کا جو مشن سامنے آتا ہے اس کا تقاضا محض دعوت و تبلیغ، بشارت و انذار یا تعلیم و تربیت سے ہرگز پورا نہیں ہوتا۔ اس کے تقاضے کچھ اور ہیں۔ یہ ایک انقلابی مشن ہے۔ ایک نظام کو کسی معاشرے میں برپا کرنا اس کے بغیر ممکن نہیں کہ پہلے وہاں پر موجود نظام کو جڑوں سے اکھیڑا جائے۔ یہ کام کہیں خلا میں کیا جانے والا نہیں ہے۔ جہاں بھی دینِ حق کے نفاذ کی جدوجہد کی جائے گی کوئی نہ کوئی نظام وہاں پہلے سے موجود ہو گا۔ اس باطل نظام کے ساتھ لوگوں کے مفادات وابستہ ہوں گے، سیادتیں اور چودھراہٹیں ہوں گی، لوگوں کے مالی مفادات اُس سے متعلق ہوں گے۔ آپ جب اُس نظام کو ذرا چھیڑیں گے، اس کے خلاف ذرا آواز بلند کریں گے تو نمعلوم کس کس کے کس کس مفادات پر آنچ آئے گی! ــــ چنانچہ وہ تمام قوتیں اپنے اس نظام کی مدافعت میں آپ کے خلاف متحد ہو جائیں گی کہ ع " نظامِ کہنہ کے پاسبانو، یہ معرضِ انقلاب میں ہے!" اپنے نظام کو برقرار رکھنے اور اپنے مفادات کے تحفظ کی خاطر وہ سب مجتمع ہو کر آپ کے خلاف صف آراء ہو جائیں گے۔ تصادم، کشمکش اور جہاد و قتال کا مرحلہ لازماً آکر رہے گا۔ چنانچہ اُس مقصدِ بعثت کے اعتبار سے جو سورۃ الصف کی اس آیت میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے لیے معین ہوا ہے انقلابی جد وجہد لازم اور ناگزیر ہے یہ محض دعوت و تبلیغ سے ہونے والی بات نہیں!

اگرچہ سورۃ الجمعہ کے حوالے سے اگلے درس میں یہ بات آئے گی کہ اس انقلابی

جدوجہد کا منہج اساسی یقیناً دعوت و تبلیغ ہے، اس کے ابتدائی مراحل میں یقیناً تعلیم بھی ہے، تربیت بھی ہے اور تزکیہ بھی ہے لیکن ان ابتدائی اور اساسی مراحل سے بلند تر سطح پر ایک انقلابی جدوجہد بھی ناگزیر ہے، ایک تصادم کہ جس میں کشت و خون کی نوبت بھی آسکتی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ میں جہاں دعوت و تبلیغ کا مرحلہ ہمیں نظر آتا ہے وہاں جہاد و قتال کے مراحل بھی آئے۔ حنین کی وادی میں آپؐ یہ رجز پڑھتے ہوئے اپنے لشکر کی کمان کرتے اور آگے بڑھتے نظر آتے ہیں: " اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِب، اَنَا ابنُ عَبۡدِ المُطَّلِب ! " یہ وہ بات ہے جو اُن لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتی جنہوں نے حضورؐ کے مقصد بعثت کی اس منفرد اور اس امتیازی شان کو نہیں سمجھا کہ آپؐ صرف داعی اور مبلغ نہ تھے، آپؐ محض مبشر اور نذیر نہ تھے، آپؐ صرف مزکّی، مربّی اور معلّم نہ تھے، آپؐ تاریخِ انسانی کے عظیم ترین انقلاب کے داعی و نقیب بھی تھے۔ کون انکار کرسکتا ہے اس حقیقت سے کہ تاریخِ انسانی کا عظیم ترین انقلاب وہ ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے برپا فرمایا۔ جس نے زندگی کے ہر گوشے کو بدل کر رکھ دیا۔ ایسا ہمہ گیر انقلاب جس نے لوگوں کے افکار بدلے، عقائد بدلے، نظریات بدلے، اخلاق بدلے، کردار بدلے حتیٰ کہ لوگوں کے شب و روز کے انداز اور نشست و برخاست کے طریقے بدل گئے۔ وہ قوم کہ جس کے اندر کوئی کسی کی بات سننے والا نہ تھا، انتہائی منظم قوم بن گئی۔ اس معاشرہ نے کہ جہاں پڑھنے لکھنے والے لوگ انگلیوں پہ گنے جانے کے قابل تھے، دنیا کو عظیم معلّم فراہم کیے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نوعِ انسانی کو ایک نئی تہذیب اور ایک نیا تمدن عطا کیا۔ بلاشبہ یہ تاریخِ انسانی کا عظیم ترین انقلاب تھا۔ حضورؐ کی بعثت کا یہ پہلو کہ آپؐ ایک عظیم داعئ انقلاب تھے، درحقیقت آپؐ کے اس فرضِ منصبی کا منطقی تقاضا ہے جو ان الفاظِ مبارکہ میں بیان ہوا: " لِیُظۡہِرَہٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّہٖ "

" اِس راہ میں جو سب پہ گزرتی ہے سو گزری ! "

مہاتما گاندھی کے بارے میں غالباً جارج برنارڈ شا نے یہ تاریخی الفاظ کہے تھے کہ:

"HE IS A SAINT AMONG POLITICIANS AND A POLITICIAN AMONG SAINTS."

اگرچہ بحر " چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک " کے مصداق ان الفاظ کی یا ان جیسے الفاظ کی کوئی دور کی نسبت بھی آنحضورؐ کی ذاتِ گرامی سے نہیں ہوسکتی تاہم واقعہ یہ ہے کہ سیرتِ نبوی کے

فہم کے لیے شاید یوں اگر تعبیر کیا جائے تو بات غلط نہ ہو گی کہ :

"HE WAS A REVOLUTIONARY AMONG PROPHETS AND A PROPHET AMONG REVOLUTIONARIES."

یعنی نبیوں اور رسولوں میں آپؐ کی امتیازی شان یہ ہے کہ آپ ایک عظیم انقلابی رہنما ہیں اور انقلابی رہنماؤں میں آپ کی منفرد شان یہ ہے کہ آپ اللہ کے نبی اور رسول ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپؐ نے صرف دعوت و تبلیغ کا کام نہیں کیا بلکہ اس دعوت کی بنیاد پر ایک انقلاب کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ دعوت و تبلیغ کے ابتدائی مرحلے سے کام کا آغاز کیا اور کل ۲۳ برس میں اس جد و جہد کو ایک نظام کے باقاعدہ قیام اور باضابطہ نفاذ کے تکمیلی مرحلے تک پہنچا دیا ——————

—————— اگرچہ یہ امر واقعہ ہے کہ اس جد و جہد میں آپؐ کو ان تمام مراحل سے گزرنا پڑا جو کسی بھی انقلابی جد و جہد میں آتے ہیں۔ زمین پر قدم بقدم چل کر حضورؐ نے وہ مرحلے طے کیے۔ آپؐ کو فقر و فاقے کی صعوبت بھی برداشت کرنی پڑی، شعب بنی ہاشم میں تین سال کی قید کو ذہن میں لائیے کہ جس میں وہ وقت بھی آیا کہ فقر و فاقے کی شدت سے بنی ہاشم کے دودھ پیتے بچے بلک رہے تھے اور ان کے کھانے کے لیے کوئی چیز میسر نہ تھی سوائے اس کے کہ سوکھے چمڑوں کو ابال کر اس کا پانی ان کے حلق میں ٹپکا دیا جائے۔ طائف میں شدید پتھراؤ کا آپؐ کو سامنا کرنا پڑا، مکے کی گلیوں میں آپ کے راستے میں کانٹے بچھائے جاتے تھے، یہ منظر بھی چشم فلک نے دیکھا کہ آپ سربسجود ہیں اور ایک شقی انسان عقبہ ابن ابی معیط ابو جہل کے کہنے سے اٹھتا ہے اور اونٹ کی نجاست بھری اوجھری لا کر شانۂ مبارک پر رکھ دیتا ہے۔ پھر غارِ ثور کا مرحلہ بھی آیا، میدانِ بدر کا وہ نقشہ بھی ذہن میں لائیے کہ اللہ کا رسولؐ دونوں لشکروں کے درمیان گھاس پھونس کی ایک جھونپڑی میں سربسجود ہے، اور اللہ سے گڑگڑا کر نصرت کی درخواست کر رہا ہے۔ پھر اُحد کا سخت مرحلہ بھی آیا۔ آپؐ کے دندانِ مبارک شہید اور چہرۂ انور لہولہان ہو گیا ہے۔ آپؐ پر کچھ دیر کے لیے غشی طاری ہو جاتی ہے۔ آپ کے انتہائی جاں نثار ساتھی مصعبؓ بن عمیر کا لاشہ بے گور و کفن پڑا ہے کہ جسم پر موجود چادر اتنی چھوٹی تھی کہ اگر سر کو ڈھانپتے تھے تو پاؤں کھل جاتے اور پاؤں کو اگر ڈھانپتے تو سر کھل جاتا تھا۔ حضورؐ کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ سر کو چادر سے ڈھانپ دو اور پاؤں پر گھاس ڈال دو۔ اسی میدانِ اُحد میں آپؐ کے انتہائی قریبی عزیز حضرت حمزہؓ ابن عبد المطلب کا اعضاء بریدہ لاشہ

بھی پڑا ہوا ہے۔ حضورؐ کے قلبِ مبارک کی جو کیفیت ہے اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ مدینہ پہنچنے پر جب آپؐ نے دیکھا کہ گھر گھر سے رونے کی آوازیں آ رہی ہیں، شہداء پر ان کی رشتہ دار خواتین بین کر رہی ہیں[1] تو حضورؐ کی زبان پر بے اختیار یہ الفاظ آ گئے : " اَمَّا حَمْزَةُ فَلَا بَوَاكِيَ لَهٗ !" ہائے حمزہ کے لیے تو کوئی رونے والی ہی نہیں۔ یہ تمام صدمے حضورؐ نے دیکھے اور یہ سب سختیاں جھیلی ہیں تب یہ انقلاب آیا ہے۔ گویا " اس راہ میں جو سب پہ گزرتی ہے، سو گزری " کے مصداق اس عظیم انقلابی جدوجہد میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان تمام مراحل اور مشکلات و موانع کا سامنا کرنا پڑا جو دنیا کی کسی بھی انقلابی جدوجہد میں پیش آتے ہیں۔ بہرکیف یہاں صرف اس بات کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ بعثتِ محمدیؐ کی یہ امتیازی شان ہمارے سامنے رہنی چاہیے جو اس آیت میں بیان ہوئی کہ : "هُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ " پورے کے پورے دین (نظامِ اطاعت) پر اس دینِ حق کو غالب و قائم کر دینا یہ ہے بعثتِ محمدیؐ کی غرض و غایت!

دو چشم کشا واقعات

یہ بات بھی سمجھ لیجیے کہ یہ چیز بعثتِ انبیاء کے اساسی مقصد سے جدا نہیں ہے۔ دیکھیے، بعثتِ انبیاء کا اصل مقصد نوعِ انسانی پر اتمامِ حجت ہے اور یہ اسی اتمامِ حجت کا تکمیلی مرحلہ ہے کہ انسان کو اجتماعی نظام کے ضمن میں رہنمائی کے لیے عدل و قسط پر مبنی نظام کا ایک مکمل نمونہ دکھا دیا جائے۔ صرف نظری سطح پر پیش کر دینے سے وہ حجت مکمل نہیں ہوگی بلکہ اتمامِ حجت کے لیے ضروری ہوگا کہ اس نظام کو بالفعل قائم و نافذ کر کے اور عملاً چلا کر دکھا دیا جائے۔ اس معاملے کی اہمیت کا حوالہ رواں صدی کے دو واقعات کے حوالے سے کیا جا سکتا ہے۔ جب ہندوستان میں پہلی بار مختلف صوبوں میں کانگریس کی حکومتیں بنی تھیں اس وقت یاد ہوگا کہ گاندھی جی نے اپنے کانگریسی ساتھیوں اور زعماء کے سامنے ایک عجیب بات کہی تھی اور وہ یہ کہ "میں اس موقع پر تمہارے سامنے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی مثال رکھتا ہوں، اس مثال کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھو!" غور کیجیے گاندھی نے یہ بات کیوں کہی! ——

---

[1] اس وقت تک بین کرنا ممنوع قرار نہیں پایا تھا۔

اِس لیے کہ واقعہ یہ ہے کہ اس عہد جدید کے انسان کو جس نوع کے اجتماعی نظام کی ضرورت ہے اُس نظام کا ایک کامل نقشہ اور ایک مکمل ماڈل (MODEL) اگر درکار ہے تو اس کی نظیر تاریخ انسانی میں صرف ایک ہی ہے اور وہ ہے دورِ خلافتِ راشدہ یعنی وہ نظامِ عدلِ اجتماعی جو قائم فرمایا تھا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

ایک دوسرا واقعہ جو اس کے دوسرے رُخ پر روشنی ڈال رہا ہے، مولانا عبید اللہ سندھی کے حوالے سے ہے۔ اس واقعے سے دینِ حق کے قیام ونفاذ کی اہمیت سامنے آتی ہے۔ مولانا سندھی جب شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ کی ریشمی رومالوں کی تحریک کے سلسلے میں ہندوستان کو چھوڑ کر افغانستان گئے اور جب افغانستان سے بھی گرفتاری کے خطرے کے پیشِ نظر سرحد عبور کر کے انہیں روس جانا پڑا تو اس وقت روس میں بالشویک انقلاب ابھی نیا نیا آیا تھا۔ انہوں نے یہ محسوس کیا کہ اس موقع پر اس انقلاب کے مرکزی رہنماؤں کے سامنے اگر اسلام کا انقلابی پروگرام رکھا جائے تو کیا عجب کہ وہ اُسے قبول کر لیں۔ ابھی ان میں وہ انقلابی جذبہ بھی ہے اور انقلاب کے نقطۂ نگاہ سے فضا سازگار بھی ہے۔ چنانچہ اس امید میں انہوں نے لینن سے ملاقات کرنا چاہی۔ لیکن لینن اس وقت بسترِ مرگ پر تھا۔ اس نے کہلا بھیجا کہ ٹراٹسکی سے بات کیجئے، چنانچہ مولانا عبید اللہ سندھی کی ٹراٹسکی سے مفصّل گفتگو ہوئی۔ گفتگو کے آخر میں اُس نے پوچھا کہ مولانا یہ نظام جو آپ پیش کر رہے ہیں بظاہر بہت عمدہ معلوم ہوتا ہے لیکن کیا آپ نے دنیا میں کہیں اسے قائم بھی کیا ہے؟ مولانا عبید اللہ سندھی کہتے ہیں کہ اس کے بعد میری نگاہیں زمین میں گڑی کی گڑی رہ گئیں، دوبارہ میں اس سے آنکھیں چار نہیں کر سکا ——

سیدھی سی بات ہے کہ کوئی نظام حجت تب بنتا ہے جب اُسے چلا کر دکھا دیا جائے۔ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس اتمامِ حجت کو اپنے تکمیلی درجے تک پہنچا دیا۔ آپؐ نے جہاں نظری، فکری اور اعتقادی ہدایت دی ، انسان کی سوچ کو صحیح رُخ پر ڈالا، جہاں آپ نے انفرادی اخلاق کے ضمن میں انسان کی سیرت وکردار کی تعمیر کے لیے ایک مکمل ہدایت نامہ عطا فرمایا، خود اپنی سیرت وکردار اور اپنے صحابہ کرام کی سیرت وکردار کو اس رخ پر ڈھال کر انفرادی اخلاق کے ضمن میں ہمیشہ ہمیش کے لیے نوعِ انسانی پر حجت تمام کی، وہاں آپؐ نے ایک جاں گسل جدوجہد کے ذریعے تئیس سالہ محنتِ شاقّہ کے نتیجے میں اُس نظامِ عدل وقسط کو عملاً برپا کر دیا جس میں انفرادی آزادی بھی ہے لیکن اجتماعیت کے حقوق بھی پورے طور پر محفوظ ہیں،

جس میں مساواتِ انسانی بھی ہے لیکن وہ FREEDOM کی COST پر نہیں کہ مساوات تو ہو لیکن انسان شخصی آزادی سے یکسر محروم کر دیا جائے ۔ بلکہ یہ دونوں اعلیٰ اقدار اس نظام میں بیک وقت موجود ہیں ۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انسان جس اعلیٰ قدر کا تصوّر کرے گا اُسے وہ اس نظام میں موجود پائے گا ۔ علّامہ اقبال نے اس حقیقت کو بڑے خوبصورت پیرائے میں بیان کیا ہے ۔

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بُو
آنکہ از خاکش بروید آرزو
یا زِ نورِ مصطفیٰ اُو را بہاست
یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیٰ ست

یہ ہے اصل کارنامۂ حیاتِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا جس کو سمجھنے کے لیے حضوؐر کے مقصدِ بعثت کی اس امتیازی شان کا فہم ضروری ہے جو اس آیۂ مبارکہ میں وارد ہوئی :
" هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ "

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

برائے توجّہ : مقامی رابطہ و معلومات کے لیے قارئینِ کرام ذیل میں درج پتے نوٹ فرمالیں :

۱۔ **محمّد طفیل گوندل**

یونین سیمنٹ کمپنی ۔ ص ۔ ب ۱۷۰ راس الخیمہ ۔ (یو ۔ اے ۔ ای)
فون ، رہائش : ۲۵۵۳۷ ۔ دفتر : ۱۵۲/ ۶۶۱۶۶

۲۔ **علی اصغر ایم عبّاسی**
دفتر تنظیم اسلامی ، متصل مکی مسجد مینارہ روڈ سکھر ۶۵۲۰۰ ۔ سندھ ۔

پروفیسر احمد الدین مارہروی

اسلام سے خوف

اسلام کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے یہ عجیب حقیقت سامنے آتی ہے کہ بالکل ابتدائی زمانہ سے آج تک تمام دنیا اس سے خائف رہی ہے اور اس کی بظاہر ایک ہی وجہ نظر آتی ہے اور وہ ہے عقیدۂ توحید جس کو بجز مسلمان کے دنیا کی کوئی دوسری قوم وملت تسلیم کرنے کے واسطے تیار نہیں۔ آنحضرتؐ نے جب مکہ میں توحید کا علم سربلند کیا تو اس وقت روئے زمین پر حق پرستی کے دعویدار تو بہت تھے لیکن توحید کا ماننے والا ایک بھی نہ تھا۔ ملک عرب بُت پرستی کا گہوارہ تھا اور اہلِ عرب کی بے پناہ تلواریں اُن تین سو ساٹھ بتوں کی خاطر بے نیام رہا کرتی تھیں جو انہوں نے خانۂ خدا (کعبہ) میں نصب کر رکھے تھے اور جید سرداروں سے لے کر نوجوانوں تک ان باطل معبودوں کے لیے جان دینے پر آمادہ نظر آتا تھا۔ ابتدا میں صرف گنتی کے چند لوگ حضورؐ کے دست مبارک پر ایمان لائے تھے اور چھپ چھپ کر نمازیں پڑھتے تھے۔ اُن کی مثال اُزدر پر سفیدی کی سی تھی لیکن اُس وقت کی تاریخ پر نظر ڈالیے تو آپ کو یہ دیکھ کر حیرت ہوگی کہ باوجود کثرتِ تعداد، اثر و رسوخ، دولت و طاقت کے وہ اسلام سے سخت خائف اور متوحش دکھائی دیتے تھے، بھلا ان مٹھی بھر کمزور انسانوں سے جن میں سے اکثر غلام تھے پوری قوم کو خوفزدہ ہونے کی کیا معقول وجہ ہو سکتی ہے۔ بات یہ ہے کہ کسی کا دل جھوٹا نہیں ہوتا۔ اُن کا ضمیر کہہ رہا تھا کہ اسلام سچا اور اُن کے عقائد باطل ہیں۔ اس لیے وہ ہر جتن کرتے تھے جس سے اُن کے دین پر آنچ نہ آئے اور اُن کے خود ساختہ معبود کالعدم نہ ہو جائیں۔

لیکن اسلام اس سرعت سے پھیلا کہ کفار، مشرک، یہودی، نصرانی، مجوسی سب ہی انگشت بدنداں رہ گئے۔ جہاں کسی نے تلوار سے مقابلہ کیا مسلمانوں کی تیغ جہاد نے اُن کا صفایا کر دیا، جہاں دلائل سے سامنا کیا وہاں منہ کی کھائی۔ دلوں میں جو کچھ بھی بغض رہا

ہو، منافقت نے جو راہ بھی دکھائی ہو، اسلام کا لبادہ اوڑھ کر یہودیوں، عیسائیوں، زردشتیوں یا دوسرے باطل پرستوں نے باہمی پھوٹ ڈالنے، غلط راستہ دکھانے اور آپس میں لڑانے کی کوششیں ضرور کیں اور ان میں اکثر کامیاب بھی ہوئے لیکن بایں ہمہ اس کے خوف سے سر ضرور جھکائے رہے حتٰی کہ فرقہ پرستی اور باہمی چپقلش نے بغداد کی تباہی کے ساتھ خلافت اسلامیہ کا شیرازہ بکھیر دیا۔ جس کے بعد جگہ جگہ مسلمانوں کی چھوٹی چھوٹی سلطنتیں قائم ہوگئیں جن میں سے بعض نظریاتی تھیں اور بعض ملحدانہ۔ یہ ایک دوسرے سے خائف بھی تھیں اور دست و گریباں بھی رہتی تھیں لیکن تھیں بہرحال نام کی مسلمان، اس لیے تاتاری ان سے خائف تھے اور انہوں نے گن گن کر ان سب کو تباہ کرنا اور مسلمانوں کا بے دریغ خون بہانا شروع کر دیا۔

ادھر جب یورپ کے عیسائیوں کو یہ احساس ہوا کہ مسلمان اپنے دین کو بھول چکے ہیں اور یک جہتی ختم ہو جانے کے باعث اتنے کمزور ہو گئے ہیں کہ اگر ہم متحد ہو جائیں تو اُن کے ہاتھ سے اپنے قبلہ یعنی بیت المقدس کو واپس لے سکتے ہیں جو حضرت عمرؓ کے زمانے سے ان کے قبضہ میں چلا آرہا ہے تو پطرس نامی راہب نے انہیں جوش دلا کر مسلمانوں کے خلاف اتنا بھڑکایا کہ تمام یورپ مذہبی جذبات سے مغلوب ہو کر مسلمانوں سے برسرپیکار ہوگیا اور ۱۰۹۶ء سے ۱۲۷۱ء تک نو لڑائیاں ہوئیں جو صلیبی جنگوں کے نام سے مشہور ہیں۔ مسلمان اس یلغار کے لیے تیار نہ تھے اس لیے ابتداءً انہیں شکست ہوئی۔ بیت المقدس پر عیسائیوں کا قبضہ ہوگیا اور انہوں نے وہاں اپنی حکومت بھی قائم کرلی۔ لیکن اُس دور کے مسلمان آج کل کی طرح بے حس نہ تھے۔ ان کی رگوں میں جہاد کا خون موجزن تھا۔ انہوں نے ذاتی عناد کو پس پشت ڈال کر بالاتفاق عیسائیوں کا مقابلہ کیا۔ سلطان نورالدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی نے اُن کے چھکے چھڑا دیے اور بیت المقدس دوبارہ مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا اور جب انگلستان کے بادشاہ رچرڈ نے جو شیر دل کہلاتا ہے اور فرانس کے بادشاہ لوئی نے اسے واپس لینے کی کوشش کی تو انہیں ناک چنے چبوا دیے اور دونوں کو صلح کی درخواست کرنے پر مجبور کر دیا۔ تاریخ شاہد ہے کہ اس کے بعد انگلستان پر مسلمانوں کا ایسا خوف طاری ہوا کہ مائیں بچوں کو یہ کہہ کر ڈراتی تھیں کہ خاموش ہو جاؤ نہیں تو سلاڈین (صلاح الدین) آجائے گا۔ کچھ ایسا ہی حال فرانس کا تھا جہاں لوگ سراسینیس (مسلمانوں) کے خوف سے رات کو چونک پڑتے تھے اور اُن کی نیندیں

حرام ہو جاتی تھیں۔

یہ جنگیں چونکہ مذہب کے نام پر لڑی گئی تھیں اس لیے پادریوں نے اپنی ناکامیوں کا دوسری طرح بدلہ لیا۔ مسلمانوں کے خلاف نت نئے الزام تراشے، جھوٹا پراپگنڈا کیا اور عوام کے سامنے مسلمانوں کی ایسی بھیانک تصویر پیش کی جیسے وہ خونخوار بھیڑیئے اور سفاک درندے ہوں اور تعصب کا ایسا رنگ ان کی رگ و پے میں داخل کر دیا جو آج تک اپنا رنگ دکھا رہا ہے لیکن اس سلسلہ میں ایک قابلِ غور بات یہ ہے کہ اس رنگ آمیزی میں تنفر سے زیادہ خوف کا جذبہ کارفرما نظر آتا ہے۔ لسان العصر اکبر الہ آبادی نے اپنی نظم برق کلیسا میں اس کی بڑی عمدہ عکاسی کی ہے۔ ایک مسلمان نوجوان کسی انگریز لڑکی سے اظہارِ عشق کرتا ہے تو وہ جواب دیتی ہے:

غیر ممکن ہے مجھے اُنس مسلمانوں سے — بُوئے خوں آتی ہے اس قوم کے افسانوں سے
لن ترانی کی ہی لیتے ہیں نمازی بن کر — حملے سرحد پہ کیا کرتے ہیں غازی بن کر
کوئی بنتا ہے جو مہدی تو بگڑ جاتے ہیں — آگ میں کودتے ہیں توپ سے لڑ جاتے ہیں
مطمئن ہو کوئی کیونکر کہ یہ ہیں نیک نہاد — ہے ہنوز ان کی رگوں میں اثرِ حکمِ جہاد

اب اسلام سے خوف کا ایک بہت اہم واقعہ سنیئے اور اس سے عبرت حاصل کیجیے۔

گزشتہ صدی میں انگلستان کی ملکہ وکٹوریہ انگریز قوم کی عظمت و جبروت کا نشان سمجھی جاتی تھی۔ دنیا کے پانچویں حصہ کی تو وہ براہِ راست حکمران تھی اور باقی ممالک بھی کسی نہ کسی طور پر اس کے زیر اثر تھے۔ ایک روز اس نے اپنی اتالیق اور وزیر اعظم لارڈ میلبورن سے جو علم التواریخ کا بہت بڑا ماہر تھا دریافت کیا کہ آپ نے تاریخ عالم کا گہرا مطالعہ کیا ہے اس میں آپ کو سب سے حیرت انگیز بات کیا نظر آئی۔ وزیر نے بلا تامل جواب دیا "اسلام کا عروج و زوال"۔ اس پر ملکہ نے دوسرا سوال کیا کہ کیا آپ نے اس کے اسباب پر بھی غور کیا؟ اس نے کہا میری سمجھ میں تو ایک ہی بات آتی ہے کہ اُن کے پیغمبر نے انہیں ہدایت کے لیے ایک کتاب (قرآن) دی تھی۔ جب تک وہ اس پر عمل پیرا رہے ترقی کی تمام راہیں اُن پر کھلی رہیں پھر جیسے جیسے انہوں نے اس سے بے اعتنائی برتنا شروع کی اُن کا زوال ہونے لگا۔ لیکن ساتھ ہی اس نے ملکہ سے بڑے متوحش لہجہ میں اپنے اس خدشہ کا بھی اظہار کیا کہ اگر کسی زمانہ میں تاریخ نے اپنے آپ کو دہرایا اور مسلمانوں نے من حیث القوم پھر قرآن کو مضبوطی سے پکڑا اور اپنی انفرادی اور قومی زندگی کو اس کے مطابق بنا لیا تو پھر

ہم کیا ساری دنیا اُن کے زیر نگین آجائے گی۔

چنانچہ اسی گفتگو کے زیر اثر ملکہ اور اس کی حکومت نے مسلمانوں کے متعلق اپنی پالیسی کو بدلا اور ہندوستان ہی نہیں اپنی تمام نوآبادیات میں تعلیمی ڈھانچہ کو اس طرح تبدیل کیا کہ مسلمان قرآن سے دور ہوتا چلا گیا اور چند علماء کی مدد سے اُن کے ذہنوں میں یہ بات پختہ لکیر کی طرح جما دی کہ مصحف مبارک کا صرف ناظرہ پڑھ لینا فلاح دارین کے لیے کافی ہے۔ چنانچہ اب وہ نام کا تو مسلمان ہے مگر اسے مطلق پتہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے کس طرح کی زندگی بسر کرنے کا حکم دے کر فرمایا ہے کہ:

"اور تم ہمت نہ ہارو اور غم نہ کرو۔ تم ہی غالب رہو گے بشرطیکہ تم مومن ہو"

(سورہ آل عمران آیۃ ۱۲۶ پارہ ۴ رکوع ۵)

اللہ کا وعدہ ہمیشہ سچا ہوتا ہے اس کے قائل مغربی دنیا کے دانشور بھی ہیں، عالم بھی اور سیاست داں بھی۔ اسی لیے وہ خائف ہیں کہ اگر مسلمان کسی روز مومن بن گیا اور اس میں فی سبیل اللہ جہاد کا جذبہ پیدا ہو گیا تو اس امڈتے ہوئے سیلاب کے آگے اُن کے باندھے ہوئے تمام بند ٹوٹ جائیں گے (جیسے ایران میں امریکہ کے زیر اثر شہنشاہ کی غیر اسلامی یا روس کے زیر اثر افغانستان میں کمیونسٹ حکومتوں کا حشر ہوا) اس لیے اُن کی دوسری بڑی کوشش یہ ہوتی ہے کہ مسلمان طاقتیں بجائے متحد ہونے کے آپس میں نبرد آزما رہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ مسلمان کا مسلمان سے لڑنا احکام قرآن کے خلاف ہے۔ اور جب تک وہ اس پر کاربند رہیں گے قرآن کی پیش گوئی کے مطابق نہ مومن بن سکیں گے نہ اُن پر غالب آسکیں گے۔

ملکہ اور وزیر کی جس گفتگو کا اوپر ذکر ہوا ہے اس کو زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ ہندوستان میں مسلمانوں نے انگریزوں کے خلاف ان کی اسلام دشمنی کے باعث زبردست جنگ شروع کر دی جس کو وہ غدر اور ہم جنگ آزادی کے نام سے یاد کرتے ہیں اور ابنائے وطن نے ہمارے ساتھ غداری اور اُن کا ساتھ نہ دیا ہوتا تو ہم یقیناً انہیں ملک بدر کرنے میں کامیاب ہو جاتے۔ دوسری طرف جب مصر پر تسلط حاصل کر کے انہوں نے سوڈان پر بھی قدم جمانے کی کوشش کی تو وہاں مسلمانوں نے مہدی سوڈانی کی سرکردگی میں ان کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا اور جس طرح ہمارے افغان بھائیوں نے روس جیسی عالمی طاقت کا سرفروشانہ مقابلہ کیا اسی طرح انہوں نے محض تلواروں اور نیزوں سے انگریزوں کی توپوں اور بندوقوں

کامقابلہ کیا۔ جنرل ہکس کی تو پوری فوج ہی کا صفایا ہوگیا اور پھر جنرل گارڈن جیسے آزمودہ کار سپہ سالار کو فنا کے گھاٹ اُتار کر انگلستان کی عالمی طاقت کو مجبور کر دیا کہ وہ سوڈان کو مہدی (مسلمانوں) کے واسطے خالی کر دے۔ ان دو واقعات سے مغرب میں بالعموم اور انگلستان میں بالخصوص مسلمانوں سے خوف میں مزید اضافہ ہوا۔ ایک طرف جھوٹی اور فرضی کہانیوں سے اُن کے حق میں نفرت کے بیج بوئے جانے لگے۔ دوسرے اسلام دشمنی میں سختی آنے لگی۔ اس وقت عیسائی دنیا میں یہودیوں کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔ لیکن یہ قوم چونکہ اسلام دشمنی میں ہمیشہ پیش پیش رہی ہے اس لیے پہلی مرتبہ ایک کٹر یہودی ڈسرائیل کو انگلستان کا وزیر اعظم بنایا گیا۔ پھر اس کی جگہ گلیڈ اسٹون نے لی جو چار مرتبہ اس عہدہ پر سرفراز ہوا۔ اس وقت تک ترکی کی اسلامی سلطنت کافی وسیع اور جاندار تھی اور وہاں کا سلطان دنیائے اسلام کا خلیفہ متصوّر ہوتا تھا۔ اس شخص کو ترکی اور مسلمانوں سے سخت نفرت بلکہ عداوت تھی۔ اس کی پالیسی کا لب لباب یہ تھا کہ اُسے اتنا کمزور کر دیا جائے کہ کم ازکم یورپ سے تو اپنا بوریہ بستر سمیٹ لے۔ اس نے ترکی کو "یورپ کا مرد بیمار" کہنا شروع کیا اور ایک دفعہ تو اپنی تقریر میں یہاں تک کہہ گیا کہ اب ہمیں صرف اس کے جنازہ کی فکر کرنا چاہیے۔

مشیتِ ایزدی ہے کہ اسلام قیامت تک باقی رہے اس کے ماتحت پچھلی جنگ نے ایشیا اور افریقہ کے مسلمانوں کو ایک نادر موقع فراہم کیا کہ وہ غلامی کی زنجیروں کو توڑ کر نہ صرف آزاد ہو جائیں بلکہ دوبارہ اسلامی روش بھی اختیار کر لیں۔ لیکن افسوس کہ ہم میں سے کسی نے بھی اس موقع سے فائدہ نہ اٹھایا۔ بلکہ ہم اسلام سے اور زیادہ دور ہوتے چلے گئے۔

ذرائع ابلاغ کی توسیع کے ساتھ غیر مسلموں کے دلوں میں اسلام سے خوف کے جو جذبات موجزن ہیں وہ کہیں لبوں پر کہیں نوکِ قلم پر آتے رہتے ہیں کہیں قذافی کو غنڈہ گردوں کا سرغنہ کہا جاتا ہے تو کہیں قوم پرست فلسطینیوں کو دہشت گرد کے لقب سے نوازا جاتا ہے اور صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا جاتا بلکہ اگر کوئی سربراہ مملکت اپنی قوم کی اصلاح کرنی چاہتا ہے تو اسے یا تو فیصل مرحوم کی طرح شہید کرا دیا جاتا ہے یا عیدی امین وغیرہ کے مانند اس کا تختہ ہی الٹ دیا جاتا ہے۔

ابھی کچھ ہی عرصہ قبل کی بات ہے پاکستان نے جوہری توانائی پر محض ابتدائی کام ہی شروع کیا تھا کہ تمام دنیا چیخ اٹھی کہ یہ ملک اسلامی بم بنا رہا ہے۔ امریکہ، روس، اسرائیل کے علاوہ

بعض دوسرے ممالک کے پاس ایٹم بم موجود ہیں۔ ہندوستان تو دھماکا بھی کر چکا ہے مگر خوف تو اسلامی بم کا ہے جو ہر غیر مسلم کے دل میں جا گزیں رہتا ہے چاہے وہ عیسائی ہو یا یہودی یا ہندو۔ اسی کے ماتحت عراق کا ایٹمی گھر مسمار کر دیا گیا اور اسی کی خاطر کہوٹہ پر تر چھی نگاہیں ہیں۔ لیکن دراصل خطرہ یہ ہے کہ کہیں یہ سر پھیری قوم خدائے واحد کے نام پر دوبارہ متحد ہو کر باطل کی کھوکھلی دیواروں کو منہدم نہ کر دے۔ ایک ہندوستان اور اپنی مثال لے لیجیے۔ اس کی نفری، فوجی طاقت، اسلحہ کی فراوانی، سائنسی و صنعتی ترقی، اقتصادی ترقی، علم و عمل کے مقابلہ میں ہماری حیثیت ہی کیا ہے۔ پھر وہ ہم سے کیوں خائف نظر آتا ہے دراصل وہ ہم سے خائف نہیں بلکہ ہندو اسلام سے خائف ہے جیسا کہ دنیا کی دوسری قوموں کا حال ہے۔

(۲)

لیکن آپ کو میری یہ بات سن کر سخت حیرت ہو گی کہ غیر مذہب والوں کو تو ایک طرف رکھیے۔ آج تو مسلمان بھی اسلام سے خائف ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ انگریز حکومت اور مغربی طرز معاشرت نے جو آزادیاں ہم کو عطا فرمائی ہیں اسلامی قانون رائج ہونے اور نظامِ مصطفیٰ کی ترویج سے اُن سب پر ایسی ضرب کاری لگے گی کہ بعض کو تو لندن یا امریکہ کی طرف اسی طرح ہجرت کرنی پڑ جائے گی جیسی خمینی انقلاب کے بعد شہنشاہ ایران کے پیروکاروں کو کرنی پڑی۔ پانچ وقت نماز پڑھنی ہو گی۔ کڑکڑاتی سردی میں صبح کو بستر سے نکلنا، لُو کے تھپیڑے کھاتے مسجد جانا، چلچلاتی دھوپ اور تمازت آفتاب میں جبکہ ایک طرف حلق خشک ہو رہا ہو اور دوسری جانب اپنے ہی فرج میں برفاب اور آئس کریم کے ذخائر موجود ہوں تشنہ لب رہنا اور اس پر خدا کا شکر ادا کرنا۔ اپنی گاڑھی کمائی سے خود اپنے ہاتھوں یا بنک کے ذریعہ زکوٰۃ کے نام پر کٹوتی اور سرمایہ کا ضیاع کس طرح برداشت کیا جائے گا جبکہ اسی روپیہ سے سامان تعیش خرید کر زندگی کی لذات حاصل کی جا سکتی ہیں۔ اس سے بڑھ کر اکل حلال کے نام پر آمدنی کے لامحدود ذرائع سود، رشوت، چور بازاری، سٹہ، جوا وغیرہ یکقلم بند ہو جائیں گے۔ کالے دھن کی فراوانی خواب و خیال ہو جائے گی۔ ناچ رنگ کی محفلوں اور مے و معشوق سے کنارہ کشی کرنی پڑے گی۔ ستم تو یہ ہے کہ آج سر بازار جو بے حجابانہ جلوے نظر آتے ہیں اُن کو دیکھنا بھی شرعاً حرام اور ناجائز قرار دیا جائے گا۔ ریڈیو سے گانے نشر نہ ہوں گے اور وہ ایک کھلونا بن جائے گا۔ ٹی وی، جو فی زمانہ جنتِ نگاہ اور فردوسِ گوش ہے محض ایک ذریعہ معلومات رہ جائے گا۔

اور یہ سوچنا پڑے گا کہ اس پر خرچ کرنا کس حد تک قرین عقل ہے۔

یہی وجہ ہے کہ آپ اپنے اکثر سیاست دانوں، لیڈروں اور دانشوروں کی زبانی سنتے رہتے ہیں کہ پاکستان ایک اسلامی مملکت ہے۔ یہاں ہم سب مسلمان ہیں پھر یہ اسلام اسلام کی رٹ خواہ مخواہ لگائی جارہی ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ آنجہانی بھٹو کے خلاف قومی اتحاد ایک سیاسی تحریک تھی جس میں ملک کی نو سربرآوردہ جماعتیں شریک تھیں لیکن جب ایک طرف سے نظام مصطفیٰ کا نعرہ بلند ہوا تو اس میں جیسی شکست وریخت ہوئی وہ بھی آپ کے سامنے ہے، کیونکہ ہمارے اکثر رہنما اسلام سے خائف تھے جو بعض آزادیوں پر پابندی عاید کرتا ہے۔ پھر جب ضیاء الحق نے اسلامی حکومت کا نام لیا تو اُن کا اکبر الٰہ آبادی کی زبان میں یہ کہہ کر مذاق اڑایا گیا۔ ؎

مگر یہ اللہ اللہ کرتا ہے.....

جبکہ دوسری طرف خود اُن کے دست وپا یعنی بیوروکریسی اور آزاد ریپبلک نے تہیہ کرلیا کہ ان کی اس مہم کو آگے نہیں بڑھنے دیں گے۔ یوں تو ہمارے ہاں اللہ کے فضل سے علمائے اسلام بھی ہیں اور علمائے پاکستان بھی لیکن اسلام کے لیے ٹھوس کام کرتا کوئی نظر نہیں آتا جس کے لیے مسلسل جدوجہد کی ضرورت ہے۔ ہر شخص کو علم ہے کہ حضور اکرمؐ کو باوجود اللہ تعالیٰ کی مکمل پشت پناہی حاصل ہونے کے قیام اسلام میں ۲۳ برس کا عرصہ لگ گیا۔ لیکن ہمارے ایک رہنما کا ارشاد ہے کہ اگر میں سربراہِ مملکت ہوتا تو ایک فرمان کے ذریعہ چوبیس گھنٹے کے اندر اسلامی نظام رائج کر دیتا۔ گویا ایک جادو کی چھڑی ہلانے کی دیر ہے ہر کافر دین دار اور ہر فاسق پارسا بن جائے گا۔

دوسری طرف ہماری ترقی پسند خواتین ہیں جن کو اس وجہ سے مغرب زدہ کہا جاتا ہے کہ اوّل تو وہ احکام قرآن سے بالکل نابلد ہیں پھر انہوں نے انگریز کے مسلّط کردہ غیر اسلامی ماحول میں پرورش پائی اور وہی تعلیم حاصل کی ہے وہ انہی کے خیالات سے واقف ہیں اور خائف ہیں کہ اسلام اُن کی آزادیوں میں خلل انداز ہوگا۔ نہ وہ غیر مردوں سے بلاجھجک مل سکیں گی نہ مخلوط مجالس میں شرکت کر سکیں گی نہ نغمے سنا سکیں گی نہ بے محابا قہقہے لگا سکیں گی۔

انتہا تو یہ ہے کہ ٹی وی پروگراموں اور محفلوں میں اپنے حسن، میک اپ حتیٰ کہ ہندوانی ساڑھیوں اور کرتیوں میں اپنے برہنہ پیٹ، گلو اور بازو کی نمائش بھی نہ کر سکیں گی۔

لیکن ان سے بھی بڑھ کر خوف ان سیاسی علماء کو ہے جو ملک میں نظامِ مصطفیٰ کی ترویج کے علمبردار ہیں اور اپنے دعوے کے بموجب ملک میں وہی اسلام لانا چاہتے ہیں جسکو حضورؐ نے قائم فرمایا تھا اور جو خلفائے راشدین کے زمانے تک جاری رہا۔ لیکن ہر شخص اس امر سے واقف ہے کہ اس کا ایک سربراہ ہوتا تھا جو پہلے خود آپؐ تھے اور اس کے بعد خلفاء لیکن ان کا عام چناؤ نہیں ہوتا تھا ۔ کیا حضورؐ کو اہلِ مکہ، طائف، یمن اور قبائل نے منتخب کیا تھا یا حضرت ابوبکرؓ سے حضرت علیؓ تک ملک میں عام انتخاب ہوا تھا؟ ایک طالب علم بھی کہہ دے گا کہ نہیں ۔ اہلِ اسلام میں چند اولوالالباب صحابہ تھے جو یہ فرض انجام دیتے تھے اور تمام قوم متفقہ طور پر ان کو امیرالمؤمنین تسلیم کرلیتی تھی۔ خلیفہ تمام امور میں اہل الرائے سے مشورہ کرتے تھے جن کی سب سے بڑی اہلیت تقویٰ، دین کی سمجھ اور اسلام کے واسطے جان، مال، اولاد سب کچھ قربان کر دینے کی تمنا ہوتی تھی۔ کوئی کسی عہدہ کا امیدوار نہ ہوتا تھا ۔

کیا ہمارے پرستارانِ نظامِ مصطفیٰ جن میں فی الوقت سب سے زیادہ پھوٹ اور نا اتفاقی ہے ، اسی قسم کا نظام چاہتے ہیں جو سلف صالحین کا شیوہ تھا یا وہ مغرب کے ایجاد کردہ غیر اسلامی پارلیمانی نظام جمہوریت، وزارتِ عظمیٰ اور دیگر وزارتوں کے خواہشمند ہیں جن میں عزت و مرتبت، رعب و داب، دولت و ثروت، عیش و آرام غرضیکہ وہ سب کچھ آجاتا ہے جس کی اس دنیا میں انسان کو خواہش ہوتی ہے ۔ اس لیے وہ اس اسلام سے خائف ہیں جس میں نظامِ حکومت ایک فردِ واحد کے ہاتھ میں آجائے جو اس سرزمین میں خدا کا نائب، رسولؐ کا خلیفہ اور مسلمانوں کا سربراہ ہوگا خود بھی خدا اور رسولؐ کے نافذ کردہ قوانین کا پابند ہوگا اور دوسروں کو بھی اسی راہ پر چلائے گا اور کسی کو من مانی کرنے کی اجازت نہ دے گا۔

اسلام سے مسلمانوں کا یہ خوف خود ہمارے ملک یا قوم تک محدود نہیں بلکہ دوسرے اسلامی ممالک تو ہم سے بھی کچھ آگے ہیں جہاں اگر کسی اسلام پرست جماعت نے زور پکڑا تو ان کی بڑی سختی اور بیدردی سے بیخ کنی کی گئی۔ مصر میں اخوان المسلمین کے ساتھ ناصر اور سادات نے جو بہیمانہ سلوک کیا اس کی خونی داستان سے ہر ایک واقف ہے۔ بعض افریقی اور ایشیائی ممالک میں گاہے گاہے اس قسم کی کارروائیاں ہوتی رہتی ہیں اور اگر پاکستان میں بھی خدانخواستہ سوشلسٹ یا کمیونسٹ حکومت قائم ہوئی تو اندیشہ ہے کہ یہاں بھی اسلام کے نام لیوا تو باقی رہ جائیں گے البتہ خود مسلمانوں کا برا حشر ہوگا کیونکہ یہ دونوں طرزِ فکر

اسلام سے خائف اور اس کے سخت دشمن ہیں۔

آپ نے دیکھ لیا کہ گذشتہ چودہ سو برس میں تمام دنیا اسلام سے کس طرح خائف رہی ہے اور جب تک حق و باطل کی جنگ جاری ہے یہی حالت قائم رہے گی اب سوال یہ ہے کہ ان حالات میں ہم مسلمانوں کا لائحہ عمل کیا ہونا چاہیئے۔ اس کا شافی جواب ہمیں سورہ آل عمران کی اس آیت میں ملتا ہے جس کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے۔ اور جس کا از روئے تاریخ ہم تجربہ بھی کر چکے ہیں۔ لیکن افسوس صرف اس امر کا ہے کہ ہم کو اس غلط فہمی میں مبتلا کر دیا گیا ہے کہ مسلمان اور مومن مترادف یعنی ہم معنی الفاظ ہیں اور اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ مسلمانوں سے ہے۔ ہرگز نہیں اگر ایسا ہوتا تو آج مسلمان ہر جگہ یوں ذلیل و خوار نہ ہوتے۔ اس لیے آپ خدا کے واسطے مومن بننے کی کوشش کیجئے اور دنیا پر ثابت کر دیجیے کہ اسلام سے ان کا خوف حق بجانب ہے۔

بالاکوٹ کی سنگلاخ چٹانوں کے بعد

ماچھی گوٹھ کے ریگزار میں برعظیم پاک و ہند

کی تحریکِ اسلامی دوسرے عظیم سانحے سے کیسے دوچار ہوئی؟

تاریخ جماعتِ اسلامی کا ایک گمشدہ باب

سانحہ ماچھی گوٹھ کے عینی شاہد اور دعوتِ دین کی علمبردار نئی جماعت

تنظیمِ اسلامی کے امیر **ڈاکٹر اسرار احمد** کے قلم سے

نظمِ جماعت کی اسلامی بنیاد سے متعلق اہم مباحث پر مشتمل اپنی نوعیت کی پہلی کتاب

تحریکِ اسلامی کے ہر کارکن کے لیے اس کا مطالعہ لازمی ہے۔

سفید کاغذ، ۳۲۸ صفحات، اعلیٰ اور مضبوط جلد، قیمت -/۸۰ روپے

ملنے کا پتہ: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، ۳۶/کے۔ ماڈل ٹاؤن، لاہور

کتابیات

گناہ کبیرہ کیا ہے؟

زیرِ طبع کتاب کے پہلے باب کی فصلِ اوّل

مؤلف : ابوعبدالرحمٰن شبیر بن نور
(ص ب ۲۰۳، الدوادمی، سعودی عرب)

اللہ تعالیٰ نے دین کے احکام و قوانین اس لیے نازل فرمائے ہیں تاکہ ان کی پابندی کی جائے اور ان سے بال برابر اِدھر اُدھر نہ ہوا جائے۔ انسان بہرحال کمزوریوں، کوتاہیوں اور لغزشوں کا مجموعہ ہے، اس لیے اس سے بھول چوک، غلطی یا نادانی ہو ہی جاتی ہے۔ نتیجتاً وہ "صراطِ مستقیم" سے بھٹک جاتا ہے اسی غلطی اور نادانی کا نام "گناہ" ہے۔

اگر یہ غلطی معمولی نوعیت کی ہو تو اسے "گناہِ صغیرہ" کہتے ہیں اور اگر یہ غلطی غیر معمولی اور اہم قسم کی ہو، مثلاً کسی کی حق تلفی (حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد) خدائی احکام کی نافرمانی یا اُن تعلقات اور رشتہ داریوں کو توڑنے یا خراب کرنے کی شکل میں ہو جن پر انسانی زندگی کا امن اور قرار منحصر ہے تو اسے گناہ کبیرہ کہتے ہیں۔

اہلِ علم نے گناہ کبیرہ کی پہچان اِن الفاظ میں بیان کی ہے: "ہر وہ کام گناہ کبیرہ میں شامل ہے جس کے مرتکب کے لیے:

ا۔ دنیا میں کوئی حد یا تعزیر مقرر کی گئی ہو۔ مثلاً چوری کرنا، زنا کرنا، زنا کی تہمت لگانا، قتل کرنا، زمین میں فتنہ و فساد برپا کرنا۔

ب۔ یا آخرت میں اس کے لیے سزا کی وعید ہو۔ مثلاً مرتد ہو جانا، نفاق والی زندگی گزارنا، اللہ کے ساتھ شرک کرنا، رسولوں کا مذاق اڑانا۔

ج۔ یا اس گناہ کے نتیجہ میں خاتمۂ ایمان کی اطلاع دی گئی ہو۔ مثلاً امانت میں خیانت کرنا، بدعہدی کرنا، نماز ترک کرنا۔

د۔ یا گناہ کرنے والے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بے تعلقی کا اعلان ہو۔ مثلاً دھوکہ دینا، معرکے سے فرار ہونا۔

ھ۔ یا کتاب و سنّت نے واضح الفاظ میں اسے اُمّتِ مسلمہ سے خارج قرار دیا ہو۔ مثلاً شرک کرنا، غیر اللہ کے نام پر نذر و نیاز دینا۔

و۔ یا اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس پر لعنت کی ہو۔ مثلاً غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنا، والدین کو بُرا بھلا کہنا۔

ز۔ یا اس پر اللہ تعالیٰ کے غصّے اور غضب کا اعلان کیا گیا ہو۔ مثلاً کچھ کیے کرائے بغیر ڈینگیں مارنا، بڑھاپے میں زنا کرنا، بادشاہ ہوتے ہوئے جھوٹ بولنا۔

ح۔ یا کتاب و سنّت میں ایسے کام کے مرتکب کو فاسق قرار دیا گیا ہو۔ مثلاً غیر شرعی احکام نافذ کرنا، جھوٹی گواہی دینا۔

ط۔ یا کتاب و سنّت کی نصِ صریح نے اس کام کو "حرام" قرار دیا ہو۔ مثلاً مردار کھانا، خنزیر کھانا، خون پینا۔

ی۔ ہر گناہِ صغیرہ، گناہِ کبیرہ بن جاتا ہے جب وہ دین کے استخفاف یا اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں استکبار کے جذبے سے کیا جائے۔ اسی طرح اگر کوئی "گناہِ صغیرہ" مسلسل کیا جائے تو "گناہِ کبیرہ" کے زمرے میں شامل ہو جاتا ہے۔ یہ بات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے درج ذیل قول سے ثابت ہوتی ہے:

لَا کَبِیْرَۃَ مَعَ الْاِسْتِغْفَارِ وَلَا صَغِیْرَۃَ مَعَ الْاِصْرَارِ۔

"استغفار کرنے سے بڑا گناہ بھی باقی نہیں رہتا۔ اور مسلسل کرتے رہنے سے صغیرہ گناہ بھی کبیرہ بن جاتا ہے۔"

فصل ثانی

اِرتکاب گناہ کے اسباب

ایمان کی کمزوری

یہ دنیا دار الامتحان ہے، جہاں اللہ تعالیٰ نے ایک طرف ہدایت کے اسباب مہیا کیے ہیں تو دوسری طرف آزمائش اور امتحان کے لیے گمراہی کے اسباب بھی پیدا کر دیئے ہیں۔ لہٰذا جب تک انسان اپنے اللہ کو یاد رکھتا ہے، اس کے مقام، اس کی صفات، اس کے اختیارات کے بارے میں ایمان تازہ رکھتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا اور نتیجۃً گناہوں سے بچتا رہتا ہے لیکن اگر کسی وجہ سے اس ذاتِ باری تعالیٰ کا خوف یا اس کی یاد دل سے نکل جاتی ہے تو وہ شیطان یا نفس کے چنگل میں پھنس کر کسی نہ کسی گناہ کا ارتکاب کر گزرتا ہے۔ جس قدر دلی یقین و اطمینان کے ساتھ انسان کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو گی اسی قدر وہ اللہ کے عذاب اور اس کی پکڑ سے ڈرتا رہے گا۔ اس حقیقت کو قرآن کریم نے اس طرح بیان فرمایا ہے:

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا[1]

"اللہ کے بندوں میں سے صرف علم رکھنے والے لوگ ہی اس سے ڈرتے ہیں۔"

جس شخص کو علم ہو کہ اللہ کی ذاتِ مقدس اسے ہر وقت دیکھ رہی ہے، اس کی ہر بات سن رہی ہے، حتیٰ کہ وہ اس کے دل کے اندر ہونے والی ہلچل سے بھی واقف ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِہٖ نَفْسُہٗ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ ۝[2]

---

[1] سورت فاطر آیت ۲۸ [2] سورت قٓ آیت ۱۶

"ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے۔ اور اس کے دل میں اُبھرنے والے وسوسوں تک کو ہم جانتے ہیں۔ ہم اس کی رگِ گردن سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں۔"

وہ کسی بھی قدم کے اُٹھانے سے پہلے اس کے نتائج کو یقیناً سوچے گا۔ اور اس کا یہ علم و یقین جس قدر پختہ ہوتا جائے گا، اسی قدر اس کا ایمان مضبوط اور خوفِ خدا بھی زیادہ ہوتا جائے گا۔ اور پھر اسی نسبت سے وہ گناہ اور غلطی سے بھی دور و نفور ہو گا اور اس سے بچتا چلا جائے گا۔

انبیاء و رسل کا علم و عرفان درجۂ کمال پر ہوتا ہے، اس لیے اُن کا ایمان انتہائی مضبوط و مستحکم اور خوفِ خدا اُن پر ہمیشہ طاری رہتا ہے۔ اور بالخصوص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جہاں سب سے زیادہ علم و معرفت رکھتے تھے وہیں سب سے زیادہ اللہ کا خوف اور ڈر بھی رکھتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دلی کیفیت بیان کرتے ہوتے فرمایا:

عُرِضَتْ عَلَیَّ الْجَنَّةُ وَالنَّارُ فَلَمْ اَرَ کَالْیَوْمِ فِی الْخَیْرِ وَالشَّرِّ وَلَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَضَحِکْتُمْ قَلِیْلًا وَلَبَکَیْتُمْ کَثِیْرًا[1]

"مجھ پر جنت اور جہنم پیش کیے گئے تو میں نے خیر و شر کے سلسلے میں آج جیسا منظر کبھی نہیں دیکھا (یعنی اہلِ جنت اور اُن کے کردار کی شکل میں، اور اہلِ جہنم اور ان کی کرتوتوں کی شکل میں) اور جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم لوگ جان جاؤ تو تھوڑا ہنسو گے اور زیادہ روؤ گے۔"

ایک دُوسرے موقع پر آپ نے فرمایا:

اِنِّیْ اَرٰی مَالَا تَرَوْنَ وَاَسْمَعُ مَالَا تَسْمَعُوْنَ اَطَّتِ السَّمَاءُ وَحُقَّ لَهَا اَنْ تَئِطَّ مَا فِیْهَا مَوْضَعُ اَرْبَعِ اَصَابِعَ اِلَّا وَمَلَكٌ وَاضِعٌ جَبْهَتَهٗ لِلّٰهِ وَلَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَضَحِکْتُمْ قَلِیْلًا وَلَبَکَیْتُمْ

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الفضائل باب توقیرہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے ملتے جلتے لفظوں کے ساتھ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب قول النبی، "لو تعلمون ما اعلم..." میں حدیث بیان ہوئی ہے۔

كَثِيرًا وَمَا تَلَذَّذْتُمْ بِالنِّسَاءِ عَلَى الْفُرُشِ وَلَخَرَجْتُمْ إِلَى الصُّعُدَاتِ تَجْأَرُونَ إِلَى اللّٰهِ لَوَدِدْتُ أَنِّي شَجَرَةٌ تُعْضَدُ[1]

"میں وہ چیزیں دیکھ رہا ہوں جنہیں تم نہیں دیکھتے، اور وہ کچھ سن رہا ہوں جسے تم نہیں سنتے۔ آسمان بوجھ کی وجہ سے چرچرا رہا ہے اور اسے حق ہے کہ چرچرائے، اس لیے کہ کوئی چار انگشت جگہ بھی ایسی نہیں جہاں کسی فرشتے نے اللہ کے حضور جبیں نہ ٹکا رکھی ہو۔ جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم جان جاؤ تو تھوڑا ہنسا کرو گے، زیادہ رویا کرو گے، اور اپنی بیویوں سے لذت اندوز بھی نہ ہو گے۔ بلکہ ٹیلوں اور اُونچائیوں کی طرف نکل جاؤ گے، جہاں اللہ کے حضور گڑگڑاؤ گے۔ میں چاہتا ہوں کہ اے کاش میں کوئی درخت ہوتا جسے کاٹ کر پھینک دیا جاتا۔"

معلوم ہوا کہ گناہوں کے ارتکاب کا سب سے بڑا سبب اللہ کے حضور پیش آنے والے حالات کی کمی اور ایمان کی کمزوری ہے۔ ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کو علیم، خبیر، بصیر، علیمٌ بذات الصدور اور عالم الغیب والشّہادۃ جانتے اور مانتے ہوئے، اس کے سامنے اپنی پیشی کا یقین بھی رکھتا ہو اور دھڑلے سے گناہ بھی کرتا رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ پر، یوم آخرت پر اور وہاں پیش آنے والے ہولناک واقعات پر انسان کا ایمان و یقین پختہ ہو تو وہ بالعموم گناہوں سے بچا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے قیامت کی ہولناکیوں کو قرآن کریم میں متعدد جگہ مختلف اندازِ بیان کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ ارشاد فرمایا:

يَاأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ ٥

---

[1] سنن الترمذی، کتاب الزہد، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: "لَوْ تَعْلَمُونَ مَا أَعْلَمُ"۔ امام ترمذی نے حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔ مسند امام احمد، ج ۵ ص ۱۷۳۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، باب الحزن والبکاء، حدیث ۴۱۹۰۔ محدث العصر فضیلۃ الشیخ ناصر الدین الالبانی نے بھی حدیث کو حسن کہا ہے۔ صحیح الجامع الصغیر حدیث ۲۴۴۹۔ المستدرک للحاکم ج ۴، ص ۵۷۹۔

يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكَارٰى وَمَا هُمْ بِسُكَارٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ۝ [1]

"لوگو اپنے رب کے غضب سے بچو! حقیقت یہ ہے کہ قیامت کا زلزلہ بڑی (ہولناک) چیز ہے۔ جس روز تم اسے دیکھو گے حال یہ ہوگا کہ ہر دُودھ پلانے والی اپنے دُودھ پیتے بچے سے غافل ہو جائے گی، ہر حاملہ کا حمل گر جائے گا، اور لوگ تم کو مدہوش نظر آئیں گے حالانکہ وہ نشے میں نہ ہوں گے، بلکہ اللہ کا عذاب ہی کچھ ایسا سخت ہوگا۔"

مزید ارشاد ہوا:

إِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ۝ وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ۝ وَإِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ۝ وَإِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ۝ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَأَخَّرَتْ ۝ [2]

"جب آسمان پھٹ جائے گا، اور جب تارے بکھر جائیں گے، اور جب سمندر پھاڑ دیئے جائیں گے، اور جب قبریں کھول دی جائیں گی۔ اس وقت ہر شخص کو اس کا اگلا پچھلا سب کیا دھرا معلوم ہو جائے گا۔"

ان ہولناکیوں پر ایمان کے ساتھ ساتھ انسان کو اس بات کا بھی یقین ہو جائے کہ اسے خود تن تنہا اللہ کے حضور پیش ہونا ہے اور دنیا کا سارا مال و متاع اور تعلقات و متعلقین یہیں رہ جانے ہیں۔ اس ضمن میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ [3]

---

[1] سورت الحج، آیات ۱-۲

[2] سورت الانفطار، آیات ۱-۵ [3] سورت الانعام، آیت ۹۴

"تو اَب تم تن تنہا ہمارے پاس حاضر ہو گئے، جیسا ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ اکیلا پیدا کیا تھا۔ اور جو کچھ ہم نے تمہیں دنیا میں دیا تھا وہ سب تم پیچھے چھوڑ آئے ہو"

اور یہ بھی یقین ہو جائے کہ جو کام میں کروں گا اس کا انجام بھی مجھے ہی بھگتنا ہے۔ کوئی چالاکی یا کوئی ہیر پھیر یا کوئی بڑی سے بڑی سرپرست ہستی مجھے نجات نہ دِلا سکے گی۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝

سورت البقرۃ، آیت ۴۸

"اور ڈرو اُس دن سے جب کوئی ہستی کسی کے ذرا کام نہ آسکے گی، نہ کسی کی طرف سے سفارش قبول ہوگی، نہ کسی کو فدیہ لے کر چھوڑا جائے گا اور نہ مجرموں کو کہیں سے مدد مل سکے گی"

اگر اِن تمام حقائق پر واقعی اور سچے دِل سے ایمان حاصل ہو جائے تو پھر کون مائی کا لال ہے جو گناہ اور غلطی کے قریب بھی پھٹکے لیکن مشکل یہ ہے کہ زبانی اقرار کی حد تک تو ہم اِن سب چیزوں کو تسلیم کرتے ہیں مگر دِل اسے اپنے اندر جگہ دینے کو تیار نہیں۔ اور یہی وہ لِم کی گانٹھ ہے جس کی دوا مشکل سے میسر ہے۔

امیر تنظیمِ اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک اہم خطاب

قربِ الٰہی کے دو مراتب

کتاب و سُنّت کی روشنی میں

سفید کاغذ، عمدہ کتابت وطباعت، صفحات ۹۶، ہدیہ -/۱۰ روپے
شائع کردہ: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن ۳۶۔ کے، ماڈل ٹاؤن۔ لاہور

امام ابن تیمیہؒ کی تالیف 'اَلْاِیْمَان' کی ایک فصل کا ترجمہ

ایمان اور اِسلام کا فرق

اور قانونی مسلمان کی باطنی اعتبار سے تین ممکن حالتیں

مترجم: حافظ خالد محمود خضر، فیلو قرآن اکیڈمی

★

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اپنے اس قول میں ایمان کے بغیر اسلام کا اثبات کیا ہے کہ:

"قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ۚ قُلْ لَّمْ	"بدو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ۔
تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا	(اے نبیؐ، ان سے) کہئے کہ تم ہرگز
وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ	ایمان نہیں لائے ہو، بلکہ یوں کہو کہ
قُلُوْبِكُمْ ۭ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ	'ہم نے اسلام قبول کر لیا ہے' اور ابھی
وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ	تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل
اَعْمَالِكُمْ شَيْـــًٔا" (الحجرات :۱۴)	نہیں ہوا۔ اور (اس کے باوصف)

اگر تم اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرتے رہو گے تو وہ تمہارے اعمال میں سے کچھ بھی کمی نہ کرے گا۔"

اور صحیحین میں موجود ہے کہ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص روایت کرتے ہیں کہ:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت کو (کچھ مال) عطا فرمایا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ (مالِ غنیمت) تقسیم فرمایا۔ اور ان میں سے ایک شخص کو چھوڑ دیا جسے کچھ نہ دیا۔ اور میرے نزدیک وہ ان میں سب سے زیادہ پسندیدہ تھا۔

پس میں نے عرض کیا: "یارسول اللہ، آپ نے فلاں شخص کو کیوں محروم رکھا؟ خدا کی قسم میری رائے میں تو وہ مومن ہے"۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: "(مومن ہے) یا مسلم؟" میں نے اپنی بات تین بار کہی اور تینوں ہی بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے بھی اسے مجھ پر (ان ہی الفاظ میں) لوٹا دیا۔ پھر فرمایا: "بے شک میں کسی شخص کو مال دیتا ہوں، جبکہ کوئی دوسرا شخص مجھے اس سے محبوب تر ہوتا ہے، محض اس خوف سے کہ کہیں اللہ اس (مقدم الذکر شخص) کو اوندھے منہ آگ میں نہ جھونک دے"۔ - - - - - - - -

رہا یہ سوال کہ یہ اسلام جس کے حاملین کے دلوں میں دخولِ ایمان کی اللہ نے نفی کی ہے، کیا یہ وہ اسلام ہے جس پر انہیں (اجر و) ثواب دیا جائے گا؟ یا یہ منافقین کے اسلام کی جنس سے ہے؟ تو اس کے بارے میں سلف اور خلف کے دو مشہور قول ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ وہ اسلام ہے جس پر انہیں ثواب دیا جائے گا، اور جو انہیں کفر اور نفاق سے بری کرتا ہے۔ یہ رائے حسن (بصری)، ابن سیرین، ابراہیم نخعی اور ابوجعفر باقر رحمہم اللہ سے مروی ہے۔ مزید برآں یہی حماد بن زید، احمد بن حنبل، سہل بن عبداللہ التستری، ابو طالب مکّی اور بہت سے دوسرے اہلِ حدیث، اہلِ سنّت اور اہلِ حقائق کا قول بھی ہے۔ احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں کہ ہمیں مؤمل بن اسحاق نے عمار بن زید سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے ہشام کو یہ کہتے ہوئے سنا: حسن اور محمد (دونوں) کہا کرتے تھے کہ: "وہ مسلم ہے اور (یہ کہتے ہوئے) ڈرتے تھے کہ مومن ہے۔" اور احمد بن حنبل کہتے ہیں: ہمیں ابوسلمہ خزاعی نے بتایا کہ: مالک، شریک، ابوبکر بن عیاش، عبدالعزیز بن ابی سلمہ، حماد بن سلمہ اور حماد بن زید نے کہا ہے کہ: "ایمان: معرفت، اقرار اور عمل (کا نام) ہے۔" سوائے اس کے کہ حماد بن زید اسلام اور ایمان میں فرق کرتے ہیں، وہ ایمان کو خاص قرار دیتے ہیں اور اسلام کو عام۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ اسلام (جس کا ذکر سورۃ الحجرات کی مذکورہ بالا آیت میں ہوا ہے) قید اور قتل کے خوف سے اطاعت قبول کر لینا ہے، جیسے منافقین کا اسلام۔ (چنانچہ یہ موقف رکھنے والوں نے) کہا: "اور یہ کافر ہیں، کیونکہ ایمان ان کے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔ اور جس کے دل میں ایمان داخل نہ ہوا ہو وہ کافر ہے۔"

اسی (موقف) کو امام بخاری اور محمد بن نصر المزوری نے اختیار کیا ہے۔ اور سلف اس بارے میں اختلاف رکھتے ہیں۔ محمد بن نصر نے کہا: ہمیں اسحاق نے بتایا کہ ہمیں جریر نے خبر دی کہ مغیرہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا: میرے پاس ابراہیم نخعیؒ آئے، تو میں نے کہا: بے شک ایک آدمی مجھ سے جھگڑتا ہے، اسے سعید العنبری کہا جاتا ہے۔ [ابراہیم نے کہا: وہ العنبری نہیں، بلکہ زبیدی ہے۔] اللہ کے فرمان: " قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا " (کے بارے میں) وہ کہتا ہے کہ: "یہاں استسلام (فرمانبرداری) مراد ہے"۔ اس پر ابراہیم نخعیؒ نے کہا: "نہیں، یہاں مراد اسلام ہے"۔

اور (محمد بن نصر نے) کہا: ہمیں محمد بن یحییٰ نے حدیث بیان کی کہ ہمیں محمد بن یوسف سے یہ بات پہنچی کہ مجاہد سے روایت ہے: " قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا " (سے مراد یہ ہے کہ یوں کہو کہ:) ہم نے قید اور قتل کے ڈر سے فرمانبرداری قبول کی"۔ لیکن یہ روایت منقطع ہے، سفیان کی ملاقات مجاہد سے ہوئی ہی نہیں۔

اور جو کہتے ہیں کہ: "یہ اسلام منافقین کے اسلام کی مانند ہے، جس پر انہیں اجر نہیں دیا جائے گا"، ان کا کہنا ہے کہ: "کیونکہ اللہ نے اُن کے ایمان کی نفی کی ہے، اور وہ تعالیٰ جس کے ایمان کی نفی کر دے وہ (یقیناً) کافر ہے"۔ اور یہ کہتے ہیں: "اسلام ہی ایمان ہے۔ اور ہر مسلم مومن ہے اور ہر مومن مسلم ہے۔ اور جس نے فساق کو مسلم قرار دیا مگر مومن نہیں، اس پر لازم آتا ہے کہ پھر وہ ان (فساق) کو اللہ تعالیٰ کے اس طرح کے اقوال میں داخل نہ کرے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ (المائدہ ۶:) اور يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ (الجمعہ: ۹) وغیرہ۔ کیونکہ انہیں ایمان کے نام سے پکارا گیا ہے، نہ کہ اسلام کے نام سے۔ پس جو کوئی مومن نہیں وہ اس میں داخل نہیں"۔ (یعنی اس طرح وہ ایسی آیات کا مخاطب اور ان میں دیے گئے احکام کا مکلف نہیں ٹھہرے گا!)

تو اس کا جواب یہ ہے کہ --- خطاب: " يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا " اس سے مختلف ہے جو " اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَ

جَاهَدُوا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ " (الحجرات : ۱۵) اور اس طرح کی دوسری آیات میں (مراد) ہے۔ پس " یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا " سے خطاب میں (ہر وہ شخص) داخل ہے جس نے ایمان ظاہر کیا ہو، اگرچہ وہ اندرونی طور پہ منافق ہو اور اس میں محض ظاہری طور پہ ہی داخل ہوا ہو۔ تو وہ شخص اس میں کیسے داخل نہ ہوگا جو منافق نہ ہو، اگرچہ وہ حقیقی طور پہ مومن نہ بھی ہو۔ اس کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ : "بے شک وہ مسلم ہے اور اس کے پاس وہ ایمان (موجود) ہے جو اسے خلود فی النار سے بچائے گا۔" اور یہ بات اہل سنت کے مابین متفق علیہ ہے۔ لیکن آیا اس (ناقص ایمان) پہ " ایمان " کے نام کا اطلاق ہوگا یا نہیں ؟ تو یہ وہ بات ہے جس کے بارے میں ان کے مابین اختلاف موجود ہے۔ پس (یہ بھی) کہا جاتا ہے کہ : " اسے 'مسلم' کہا جائے گا اور 'مومن' نہیں کہا جائے گا۔" اور (یہ بھی) کہا جاتا ہے کہ : " (نہیں) بلکہ اسے 'مومن' ہی کہا جائے گا۔"

اور محقق بات یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ : وہ ناقص الایمان مومن ہے ــــ اپنے ایمان کی وجہ سے مومن اور اپنے کبیرہ (گناہوں) کی وجہ سے فاسق ہے، اور (اس کے ایمان کو) 'ایمانِ مطلق' کا نام نہیں دیا جائے گا، کیونکہ کتاب و سنت نے اس سے (ایمان) مطلق (کے) نام کی نفی کی ہے۔

پس ایمان کے ساتھ خطاب میں تین گروہ داخل ہیں :-

(ا) اس میں مومن حقیقی تو داخل ہیں ہی !

(ب) ظاہری احکام کے اعتبار سے اس میں منافق بھی داخل ہیں، اگرچہ آخرت میں وہ آگ کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے۔ اور منافق باطن میں اپنے سے اسلام اور ایمان کی نفی کرتا ہے اور ظاہر میں وہ اپنے لیے اسلام اور ظاہری ایمان کا اثبات کرتا ہے۔

(ج) اور اس میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جنہوں نے اسلام قبول کیا، جبکہ حقیقتِ ایمان ان کے دلوں میں داخل نہیں ہوئی۔ لیکن ان کے پاس ایمان کا کچھ حصہ اور اسلام موجود ہے، جس پہ انہیں اجر و ثواب دیا جائے گا۔ مزید برآں وہ ان معاملات میں کوتاہی کرنے والے بھی ہیں جو ان پہ فرض کیے گئے ہیں مگر ان کے ساتھ کبیرہ گناہ نہیں ہیں جس پہ انہیں اہل کبائر

کی طرح سزادی جائے۔لیکن انہیں فرائض کے ترک کی بنا پر سزادی جائے گی۔ اور یہ ان اعراب وغیرہ کے مانند ہیں جن کا ذکر اس آیۂ مبارکہ (الحجرات : ۱۴) میں آیا ہے۔ پس انہوں نے کہا کہ "ہم ایمان لائے" مگر وہ اس پر باطنی اور ظاہری طور پر قائم نہ ہوئے جس کا انہیں حکم دیا گیا۔ پس نہ تو حقیقتِ ایمان ان کے دلوں میں داخل ہوئی اور نہ انہوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا، جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جہاد کے لیے پکارا بھی۔ اور بعض دفعہ (وہ لوگ بھی اس میں داخل ہوتے ہیں) جو اہلِ کبائر میں سے ہوں، جن کے لیے وعید بھی آئی ہے، مثلاً وہ جو نماز پڑھتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں، جہاد کرتے ہیں اور (ساتھ ساتھ) کبائر کا ارتکاب بھی کرتے ہیں۔ یہ لوگ اسلام سے خارج نہیں ہوتے، بلکہ یہ مسلمان ہیں، لیکن ان کے مابین ایک لفظی نزاع ہے کہ : کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ 'مومن' ہیں ؛ جیسا کہ ہم اسے عنقریب ذکر کریں گے، ان شاء اللہ!

تو جہاں تک خوارج اور معتزلہ کا تعلق ہے وہ ایسے (لوگوں کو) ایمان اور اسلام دونوں سے خارج قرار دیتے ہیں اس لیے کہ ان کے نزدیک تو ایمان اور اسلام ایک ہی (شے) ہے۔ پس ان کے نزدیک جب یہ ایمان سے خارج ہوتے ہیں تو اسلام سے (بھی) خارج ہو جاتے ہیں۔ لیکن (اس کے بعد ان دونوں گروہوں کے مابین کچھ اختلاف بھی ہے) خوارج کہتے ہیں کہ: "وہ کافر ہیں"۔ اور معتزلہ کہتے ہیں کہ : " نہ مسلم ہیں اور نہ کافر"۔ وہ انہیں ان دونوں درجوں کے درمیان والے درجے میں رکھتے ہیں۔

اور اس بات کی (حتمی اور قطعی) دلیل کہ آیۂ مبارکہ (الحجرات : ۱۴) میں مذکورہ اسلام سے وہ اسلام مراد ہے جس پر انہیں اجر دیا جائے گا اور یہ کہ وہ منافق نہیں ہیں، یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد کے بعد کہ : "بدو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے۔ (ان سے) کہیے کہ تم ہرگز ایمان نہیں لائے ہو، بلکہ یوں کہو کہ ہم نے اسلام قبول کر لیا ہے اور ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا"۔ یہ بھی فرمایا ہے : " اور اگر تم اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرتے رہو گے تو وہ تمہارے اعمال میں سے کچھ بھی کمی نہ کرے گا"۔ اس سے ثابت ہوا کہ وہ (یعنی اعراب) جب اس اسلام کے ساتھ اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کریں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں اس اطاعت پر اجر عطا فرمائے گا، جبکہ (یہ بات ظاہر و باہر ہے کہ) منافق کا عمل تو آخرت میں بے کار و باطل ہے۔

□□□

افکار و آراء

مسئلہ مزارعت

کے بارے میں مولانا قاضی عبد الکریم مدظلہ کی رائے

ماہنامہ ' الخیر ' ملتان کی اشاعت بابت نومبر ۱۹۹۰ء میں مولانا قاضی عبد الکریم مدظلہ کی ایک تحریر " مسئلہ مزارعت ' صاحبین کا مسلک ' اور اسلاف پر تنقید " کے عنوان سے شائع ہوئی ہے جس میں انہوں نے راقم الحروف پر بھی اظہارِ عتاب فرمایا ہے اور مولانا محمد طاسین مدظلہ پر تو حد درجہ غیظ و غضب کا اظہار کیا ہے۔ راقم مولانا موصوف کو اپنا بزرگ تصور کرتا ہے اور ان کا بے حد احترام کرتا ہے اور اُن کی ناراضگی کو بھی بح "کہ ہرچہ ساقیٔ ماریخت عین الطاف است ! " ہی کا مصداق گردانتا ہے۔ لہٰذا جواباً کچھ عرض کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ البتہ اگر مولانا محمد طاسین صاحب کچھ وضاحت پیش کرنا پسند فرمائیں گے تو ہم ان کے جواب کے ساتھ مولانا قاضی عبد الکریم صاحب کے اعتراضات بھی ہدیۂ قارئین کر دیں گے ' .... سردست قاضی صاحب محترم کی تحریر کا ابتدائی حصہ اور اختتامی فرمودات میں سے بعض اقتباسات شائع کئے جا رہے ہیں۔ اس لئے کہ اُن میں جو رائے آں محترم کی سامنے آئی ہے وہ بہت وقیع اور قابل توجہ اور ملک و ملت کے موجودہ احوال و ظروف کے اعتبار سے بہت اہم ہے .... اور یہ کہنا ہرگز غلط نہ ہوگا کہ جہاں تک مدعا اور مقصود کا تعلق ہے وہ قاضی صاحب مدظلہ کا بھی وہی ہے جو راقم الحروف اور مولانا محمد طاسین صاحب کا ہے .... قاضی صاحب کی خدمت میں کتاب " مروجہ نظامِ زمینداری اور اسلام " بصیغۂ ڈاک ارسال کر دی گئی ہے .... اسرار احمد عفی عنہ

" ماہنامہ حکمتِ قرآن میں ایک مضمون مروّجہ نظام زمینداری اور اسلام کے عنوان سے کئی قسطوں میں آیا ہے۔ میرے سامنے اکتوبر ۸۴ء کا شمارہ ہے اور اس میں ہے کہ یہ پندرہویں اور آخری قسط ہے۔ یہ مضمون مولانا محمد طاسین صاحب کے نام سے منسوب ہے جو چند شمارے میرے سامنے ہیں ان میں صاحبِ مضمون کے نام کے علاوہ کوئی فصل مذکور نہیں جس سے ان کی شخصیت متعین ہو سکے۔ ابتداء کی ایک دو قسطوں کو سرسری

دیکھنے سے اندازہ یہ ہوا تھا کہ مضمون کا مرکزی نقطہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک عدمِ جواز مزارعت کو صاحبین رحمتہ اللہ علیہما کے مسلک جوازِ مزارعت پر روایتاً و درایتاً ترجیح دینا پیش نظر ہے۔ ظاہر ہے کہ اس میں احناف کے لئے نہ تعجب کی کوئی بات تھی اور نہ ہی پریشانی کا پہلو........ خیال تھا جب حدیث پاک کے کسی کتاب میں یہ مسئلہ آئے گا تو اس وقت اس مضمون سے استفادہ کیا جا سکے گا...... مطالعہ برائے مطالعہ کا نہ شوق ہوا اور نہ ہی وقت نکل سکا۔ یہ وہم ہی نہیں تھا کہ اس مضمون کا آخری حربہ 'حکمتِ قرآن' کی حکمت عملیہ کے عین مطابق اسلاف کرام اور فقہاءِ عظام رحمہم اللہ تعالیٰ کے دامنِ تقدس پر چھینٹے ڈالنا ہے"۔

"آپ کو امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کی ترجیح مطلوب ہے تو یہ آپ کا حق ہے۔ اگر آپ مروّجہ زمینداریوں کو اسلام کے خلاف قرار دینے کے حق میں ہیں جس میں کاشتکاروں پر اتنا بوجھ لاد دیا جاتا ہے جس کو گدھے پر لادنا بھی ظلم عظیم ہے تو یہ عظیم جہاد ہے مگر یہ کس احمق نے آپ کو باور کرایا کہ امام ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ اور اس کے ساتھیوں نے اسی قسم کی مزارعت کا فتویٰ دیا تھا اور کس دیوانہ نے اس کی تصدیق کی۔

یہاں تک کہ اگر ان حضرات کی جائز کردہ مزارعت جو یقیناً احادیث صحیحہ سے ثابت کی جا سکتی ہے کہ موجودہ حالات میں لوگوں کو کفر و الحاد تک دھکیلنے کا ذریعہ خیال کرتے ہیں اور اس کے برعکس امام ابو حنیفہ کے مسلک کو امت کے لئے مفید سمجھتے ہیں تو کوئی حرج نہیں۔ علماء وقت پر زور دیں کہ وہ اس پر غور کریں اور منجرالی الحاد زمینداریوں پر پابندی لگوانے کی تحریک کریں۔ علماء کی اس محنت کا ایک نمونہ آپ کے سامنے ہے کہ مفقودۃ الزوج کے سلسلہ میں امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کے خلاف امت ہی کی بہبود کے لئے امام مالکؒ کے مسلک پر اجتماعی فتویٰ دیا اور امت کے لئے آسانی کا راستہ بنا دیا۔ لیکن حاشا و کلاّ کہ امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کو چھوڑتے وقت ان کو عورت دشمنی کا طعنہ دیا ہو یا ان کے ذہن میں بھی ایسا محسن کش خیال گزرا ہو۔

احقر راقم الحروف کا اس سلسلہ میں ایک مضمون بیّنات محرم ۱۴۰۰ھ میں اور اس سے بھی قبل خدّام الدین لاہور ۱۹ / اکتوبر ۷۹ء میں چھپ چکا ہے جس کا خلاصہ مختصر لفظوں میں یہی ہے کہ موجودہ زمینداریاں نفاذِ اسلام میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ یہ پیٹ پرست اور دنیا پرست مسلمانوں کو دہریت اور الحاد کی گود میں ڈلوا رہی ہیں۔ ایسے حالات میں علماء غور کریں اور صاحبین کے مسلک کی بجائے الامامؒ کے مسلک پر نہ صرف فتویٰ

دیں بلکہ ارباب اقتدار سے اس پر عمل کرانے کی تحریک بھی چلائیں"۔

"میری آواز چونکہ ایک دور افتادہ طالب علم کی آواز تھی اس لئے اس پر صدائے برنخاست مضمون نگار جیسے دو چار حضرات بھی اگر اسلاف کرام اور فقہاء امت پر کیچڑ اچھالے بغیر علماءِ وقت کو اس طرف توجہ دلاتے تو یقیناً کوئی اچھا نتیجہ نکل آتا۔ جمعیت علماء اسلام کل پاکستان کے منشور منظور کردہ ۱۹۶۹ء میں اس کی تصریح پہلے سے موجود ہے لیکن قوم کے اچھے دن واپس لوٹنے میں شاید دیر ہے اور ملک کے اس بڑے اور مظلوم طبقہ کو مطمئن کرنے کا ابھی تک ذمّہ دار علماء کو احساس نہیں ہوا جس کے نتائج انفرادی ملکیت سے انکار اور اسلاف کو شاہیت پرستی کے طعنوں کی شکل میں خود علماء کی زبان و قلم سے نکل رہے ہیں۔ بہرحال صاحبِ مضمون کو مزارعت بالحصہ کے خلاف تحقیق یا تحریک کا تو حق تھا لیکن اسلاف کو گالیاں دے کر انہوں نے لاکھوں سے زیادہ وابستگان مذہب کا دل مجروح کر دیا ہے[۱]۔ عفااللہ عنا و عنہم"۔

سرزمینِ حرم میں رجُوع الی القرآن کا ایک مظہر

مدینہ منوّرہ سے مولانا محمد عبدالملک جامعی کا مراسلہ

قبلہ ڈاکٹر صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

جناب عاطف میاں کو ساتھ لے گئے۔ بہت اچھا ہُوا، مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ لے جاتے رہیئے، ضروری ہے۔ میں اس خوشی میں ان کو "اقبالیات" کے سلسلہ کا ایک مضمون بھیجوں گا۔ میرا نہیں، میں اس قابل کہاں۔ بدیع الزماں،

---

[۱] ہماری دانست میں محترم قاضی صاحب کو مولانا طاسین صاحب کی ایک عبارت کے سمجھنے میں تسامح ہوا ہے۔ قاضی صاحب نے مولانا کے جن الفاظ کو اسلاف کے خلاف دشنام طرازی پر محمول کیا ہے وہ الفاظ درحقیقت امام محمد یا قاضی ابویوسف رحمہا اللہ کے بارے میں نہیں بلکہ مالکانِ زمین میں سے مفاد پرست طبقات کے بارے میں ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ محترم قاضی صاحب اگر اس عبارت کو دوبارہ پڑھیں گے تو ان کی یہ شکایت رفع ہو جائیگی (ادارہ)

کوئی صاحب ہیں، اقبال کا ایک عاشق، پردہ میں چھپا ہوا تھا۔ اب باہر آیا ہے۔ "بدیع الزماں، ریٹائرڈ ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ پھلواری شریف، پٹنہ (بہار)":

اپنی جماعت کے سالانہ جلسہ کی ایک رُوداد بھیج رہا ہوں۔ اندازہ ہوگا کہ سعودی عرب میں بھی آپ کے لیے زمین تیار ہو رہی ہے۔ اگرچہ ان کا مقصد یہ نہیں ہے مگر بنیاد تو ہے زمین تو ہے، کیا پتہ آپ کے کام آجائے۔

خط کے جواب کے لیے ہرگز زحمت نہ فرمائیں۔ آپ کا وقت بہت قیمتی ہے۔

والسلام علیکم
محمد عبد الملک

سالانہ جلسے کی روداد

میں ابھی حرم شریف سے آرہا ہوں۔ وہاں آج ہمارا حفلہ سنویہ (سالانہ جلسہ) تھا، "جلسہ" یہاں دار القضاء کی اصطلاح ہے۔ ہمارے ہاں کہتے ہیں آج "پیشی" ہے، یہاں کہتے ہیں آج جلسہ ہے۔ "ہمارا" کی تشریح یہ ہے کہ یہ عاجز پچیس برس جس کام میں مشغول رہا وہ "جماعۃ تحفیظ القرآن" کا کام تھا۔ آج جو تقریر (رپورٹ) سنائی گئی، اسی میں بتایا گیا اس وقت ہمارے ۱۲۵ مدرسے ہیں للبنین (ذکور) لڑکیوں کے اس کے علاوہ ہیں۔ لڑکوں کی مجموعی تعداد پانچ ہزار سے اوپر ہے اور لڑکیوں کی چھ ہزار سے زیادہ ہے۔ جن لڑکوں نے اس سال پورا قرآن حفظ کرنے میں کامیابی حاصل کی ان کی تعداد ۵۴ ہے، دس پاروں میں پاس ہونے والے تین سو ہیں اور پانچ پانچ پاروں میں کامیاب ہونے والے پانچ سو۔ یہ صرف مدینہ منورہ کے مدارس کے اعداد و شمار ہیں۔ پچھلے دنوں جدہ گیا تھا وہاں معلوم ہوا کہ طلبہ کی تعداد اٹھارہ ہزار تک پہنچ چکی ہے اور اس وقت یہ مدارس سعودی عرب میں اقصیٰ جنوب سے اقصیٰ شمال تک پھیلے ہوئے ہیں، طلبہ کی مجموعی تعداد ایک لاکھ سے زائد ہوگی۔ ہمارے ملک فہد صاحب جواب "خادم الحرمین الشریفین" کہلانا زیادہ پسند کرتے ہیں یعنی رسمی و سرکاری طور پر یہی ان کا خطاب ہے، اس شخص کو بھی حفظِ قرآن سے بہت دلچسپی ہے، کئی سال سے اعلان فرما دیا ہے کہ قید خانوں میں جو قیدی قرآن

مجید حفظ کرلے گا اس کی آدھی مدت معاف کردی جائے گی۔ اس طرح قیدخانوں میں لوگ حفظ کرنے پر ٹوٹ پڑے ہیں۔ ہاں ہمارے یہ مدارس نائٹ اسکول کے طور پر ہیں، دن میں بچے اپنے اسکولوں میں جاتے ہیں، عصر سے مغرب تک ہمارے ہاں آتے ہیں بعض مدرسے عشاء تک بھی ہیں اور چند ایسے بھی ہیں جو سارے دن جاری رہتے ہیں۔ جو بات اصل کہنے کی ہے وہ یہ ہے کہ ان مدارس کی بنیاد ایک پاکستانی تاجر نے رکھی۔ وہ بھی ایک لاعلمی کی بنا پر۔ رمضان کے مہینے میں (۲۵ برس پہلے) وہ مکہ مکرمہ آئے ہوئے تھے، وہ یہ دیکھ کر حیران ہوئے کہ لوگ قرآن ہاتھ میں لے کر نماز (نوافل) کی امامت کرا رہے ہیں شوافع کے یہاں چونکہ یہ جائز ہے وہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے، اور انسان کی طبعی سہولت پسندی کو اسی جواز نے ان کے ہاں حفظِ قرآن تقریباً ختم کردیا۔ یہ سارے علاقے وشافعی علاقے، جو میں نے جنوبی ہند (مدراس) سے لے کر ملایا، سنگاپور، انڈونیشیا، تھائی لینڈ تک دیکھے، وہاں یہی عالم پایا وجہ وہی شافعی مسلک جو ان ملکوں میں عام ہے۔ انڈونیشیا میں قرأت کا زور ہے، عورتیں بھی خوب قاری ہوتی ہیں مگر حافظوں کا کال ہے۔ ہاں یہ پاکستانی تاجر جن کے دفتر حساب میں لاکھوں کا اجر و ثواب لکھا جا رہا ہے خود ایک نومسلم باپ کے بیٹے تھے، ان کا نام محمد یوسف سیٹھی تھا اور ان کے والد جو سکھ سے مسلمان ہوئے تھے، ان کا نام عبدالرحیم رکھا گیا تھا۔ درحقیقت یہ ان کے والد ہی کی وصیت تھی، جس کی تعمیل میں انہوں نے پاکستان میں قرآن مجید کے مدرسے کھولنے شروع کئے تا آنکہ وہاں بھی طلبہ کی تعداد ایک لاکھ تک پہنچ گئی تھی۔ سیٹھی صاحب مرحوم کا مقصود صرف حفظ قرآن نہیں تھا بلکہ قرآن فہمی اور اس پر عمل بھی ان کی اسکیم میں داخل تھا۔ خیال فرمائیں کہ جب میں نے آغاز کار میں بعض مدارس طلبہ کی قلت، مدرسین کی عدم قابلیت، اہلِ محلہ کی غفلت و بے اعتنائی کی بنا پر بند کردیئے تو مرحوم سیٹھی صاحب نے فرمایا "بھائی میرا تو یہ عقیدہ ہے کہ اگر ایک بچے نے مسجد میں آکر دو رکعت نماز پڑھ لی تو میرا تو پیسہ وصول ہوگیا"۔ قرآن فہمی کے ضمن میں مدارس میں برابر مذاکرات اور محاضرات کا سلسلہ قائم رہتا ہے۔ اب سے ۲۵ برس پہلے حرم شریف کے علاوہ کہیں کسی مسجد میں تراویح نہیں ہوتی تھی، اب یہ ہے کہ ۱۲۵ مسجدوں میں تو مدینہ منورہ میں تراویح ہو رہی ہے اور اسی طرح دوسرے شہروں میں۔ یہ ہمارے ہی بچے ہیں جو ان مساجد میں جاکر تراویح پڑھاتے ہیں۔ اس سال مسجد قبا، مسجد میقات، مسجد الشہداء (امیر حمزہ) جو شہر کی سب سے شاندار،

وسیع و عریض مساجد ہیں' ہمارے ہی طالب امامت کرا رہے ہیں' بلکہ خود حرم شریف میں بھی ہمارا تعلیم و تربیت یافتہ طالب علم تراویح پڑھا رہا ہے اور وہ ایسے والہانہ انداز میں پڑھتا ہے کہ لوگ اس کے عاشق ہو گئے ہیں۔ یہ بھی عرض کر دوں کہ یہ پہلا موقع ہے کہ تراویح (حرم شریف) کے لیے کسی ہندی یا پاکستانی الاصل بلکہ غیر عربی کو منتخب کیا گیا ہو۔ اس مقری کا نام محمد ایوب ہے اور ان کے باپ جو برما سے ہجرت کر کے آئے تھے ابھی حیات ہیں' برما کی بجائے ان کا پاسپورٹ پاکستانی تھا۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر میں اس موقع پر مرحوم و مغفور محمد صالح قزاز صاحب کا ذکر نہ کروں جو بعد میں رابطہ عالم اسلامی کے امین العام ہو گئے تھے۔ یوسف سیٹھی اگر بانی اوّل ہیں تو یہ بانی ثانی ہیں۔ سیٹھی صاحب نے جب اپنی اسکیم ان کے سامنے رکھی تو اس کے عاشق ہو گئے اور تن من دھن ہر طرح سے اس پر قربان۔ انہی کا دم تھا' ان ہی کا اثر و رسوخ کہ سیٹھی صاحب کو سارے ملک میں کام کرنے کی اجازت مل گئی۔ صالح قزاز صاحب جن کا ابھی اسی سال انتقال ہوا مرتے دم تک اسی کام میں منہمک رہے۔ سیٹھی صاحب کے انتقال کو شاید سات سال ہوئے۔ حضرت مولانا ابوالحسن علی زید مجدہم فرماتے تھے کہ سیٹھی صاحب کا جس کمرہ (کراچی) میں انتقال ہوا وہ بوقت وفات قدرتی خوشبو سے بھرا ہوا تھا۔ یہ بھی امر واقعہ ہے کہ نومسلمین میں ایمان کی تازگی ہوتی ہے جوش و خروش ہوتا ہے۔ مولانا عبید اللہ سندھی کا جوش و خروش اور قوت عمل دنیا کو معلوم ہے۔ مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے والد بھی نومسلم تھے' کتنا انہوں نے کام کیا۔ مولانا علی میاں بھی ان کے شاگرد ہیں اور عنداللہ قبولیت کی یہ نشانی کہ چھ ماہ تک ان کی قبر سے خوشبو آتی رہی۔ تبلیغی جماعت جو اس وقت دنیا میں مشہور ہے' مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے بعد اس کے دوسرے بانی حاجی عبدالرحمٰن ایک بنیے کے بیٹے تھے' خود مسلمان ہوئے اور پھر چودہ سو آدمیوں کو مسلمان کیا۔ پھر مسلمان کر کے چھوڑ نہیں دیا۔ شادی' بیاہ' کام کاج' روزگار سے لگانا' تعلیم دلانا سب کام کرتے تھے اور رہاں ہمارے علامہ شبلی رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً بھی تو بالآخر ایک نومسلم خاندان میں سے تھے اور یوں تو علامہ اقبال بھی۔

یہ بات خیال میں رہے کہ اب ہر شہر کی جماعت خود کفیل ہے اور جب سے جامعہ محمد بن سعود (ریاض) نے ان جماعتوں کو اپنی تنظیم میں لے لیا ہے آدھا خرچ وہ دیتی ہے۔

اس سال ہمارا بجٹ ۵۴ لاکھ کا تھا۔ (ریال سعودی)

(باقی صفحہ ۷۵ پر)

راولپنڈی میں تنظیم اسلامی کا جلسہ عام

امیر تنظیم اسلامی کی سہ روزہ دورۂ راولپنڈی کی رپورٹ

مرتب: محمد نیاز مرزا

تنظیم اسلامی پاکستان کی مرکزی مجلس شوریٰ کے ماہ جون ۹۰ء میں منعقد اجلاس میں جن آٹھ جلسوں کے انعقاد کا فیصلہ کیا گیا تھا' اُس ضمن میں راولپنڈی کے جلسے کے بارے میں فیصلہ مجلس عاملہ کے اجلاس منعقدہ اکتوبر ۹۰ء میں کیا گیا۔ جلسے کے لئے جگہ کا تعین کرنے اور امکانات کا جائزہ لینے لے لئے اکتوبر کے آخری ہفتے میں ناظم اعلیٰ جناب ڈاکٹر عبدالخالق صاحب لاہور سے اور ناظم حلقہ سرحد میجر فتح محمد صاحب پشاور سے تشریف لائے۔ اہم امور زیر بحث آئے۔ روالپنڈی شہر کے مختلف مقامات کو دیکھا گیا اور چلڈرن پارک کمرشل مارکیٹ سیٹلائٹ ٹاؤن کو جلسہ گاہ کے طور پر منتخب کر لیا گیا۔ ایک روز قیام کے بعد ڈاکٹر عبدالخالق صاحب اور میجر فتح محمد صاحب واپس چلے گئے۔ ۲ نومبر ۹۰ء کو روالپنڈی اسلام آباد کے رفقاء کا ایک مشترکہ اجتماع ہوا جس میں جلسے کے انتظامات کے بارے میں تفصیلی بات چیت کے بعد مندرجہ ذیل امور طے کیے گئے۔

۱۔ جلسے کے لئے تشہیری مہم کا ناظم جناب سرفراز احمد صاحب کو مقرر کیا گیا اور ان کے ساتھ ایک کمیٹی بنا دی گئی۔

۲۔ جلسہ گاہ کے انتظام کی ذمہ داری جناب اکرم علی واسطی صاحب کے سپرد کی گئی جس میں مقامی انتظامیہ سے اجازت اور واپڈا سے کنکشن لینے کی ذمہ داری بھی شامل تھی۔

۳۔ بینرز کی تیاری جناب غلام مرتضیٰ اعوان صاحب کے ذمہ ڈالی گئی۔

۴۔ بینرز اور ہینڈ بلز کی اشاعت کے لئے لاہور سے مدد لینے کا فیصلہ کیا گیا۔ جلسے کی تیاری میں معاونت کے لئے میجر فتح محمد صاحب ۱۰ نومبر ۹۰ء کو پشاور سے تنظیم اسلامی کی سوزوکی پک اپ پر روالپنڈی پہنچ گئے۔ ۱۱ نومبر سے روالپنڈی اسلام آباد میں بینرز لگانے کا کام شروع کیا گیا۔ جو کہ ۱۲ نومبر رات کو مکمل ہوا۔

پوسٹرز اور ہینڈ بلز ۷ نومبر کو راولپنڈی پہنچ جانے تھے۔ گو کہ وہ بر وقت چھپ گئے اور

لاہور سے فلائنگ کوچ کے ذریعے روانہ بھی کر دیئے گئے تھے لیکن ٹرانسپورٹ کی ہڑتال کے باعث ہمیں ۱۱ نومبر کو موصول ہوئے۔ جس کی وجہ سے پوسٹر لگانے کا پروگرام گڑ بڑ ہو گیا۔ رفقاء روزانہ بعد نماز عصر تنظیم کے دفتر میں پوسٹر لینے آتے، لیکن مایوس لوٹ جاتے۔ پوسٹر دو مرحلوں میں لگوانے کا خیال تھا۔ لیکن اب ایک ہی مرحلہ میں تمام پوسٹرز لگانے کا فیصلہ کیا گیا۔ رفقاء نے بڑی تندہی سے نصف شب تک پوسٹر لگانے کا کام مکمل کیا۔

اسی دوران ناظم اعلیٰ ڈاکٹر عبدالخالق صاحب ۱۲ نومبر کو راولپنڈی تشریف لے آئے۔ اور ہر قدم پر اپنے قیمتی مشوروں سے نوازتے رہے۔

دعوتی کارڈز ذاتی سطح پر وکلاء، پروفیسرز، اساتذہ، ڈاکٹرز، انجینئرز اور علمائے کرام کو پہنچائے گئے۔ پبلک ایڈریس سسٹم کے ذریعے اعلان عام ۱۳ اور ۱۴ نومبر کو کیا گیا۔ رفیق تنظیم محمد علی صاحب نے اپنی ذاتی گاڑی دو دن اس کام کے لئے وقف رکھی اور خود بھی ہمہ وقت ساتھ رہے۔ " فجزہ اللہ احسن الجزاء " اس اعلان عام کے لئے میجر فتح محمد صاحب ایک دوسری گاڑی میں جو کہ تنظیم اسلامی حلقہ پشاور سے آئی تھی، یہ ذمہ داری دو دن نبھاتے رہے۔ امیر محترم ۱۳ نومبر کو صبح راولپنڈی تشریف لے آئے۔ جہاں ایک تھکا دینے والا شیڈول ان کا منتظر تھا۔

آج بعد نماز عصر اس تین روزہ دورہ کا افتتاحی پروگرام راولپنڈی پریس کلب میں تھا جہاں "میٹ دی پریس" پروگرام میں امیر تنظیم کو صحافیوں سے خطاب کرنا تھا۔ خطاب کے بعد امیر محترم نے ان کے سوالات کے جوابات دیئے۔ اس پروگرام کی رپورٹنگ اگلے دن مقامی اخبارات میں نمایاں انداز میں شائع ہوئی۔

اگلے روز یعنی ۱۴ نومبر کو صبح کے وقت امیر محترم نے قائداعظم یونیورسٹی اسلام آباد میں " اسلام کے معاشی نظام " کے موضوع پر تقریر کی۔ یہ ایک بھرپور پروگرام تھا ——————

آج چونکہ جلسے کا دن تھا۔ لہٰذا رفقاء صبح نو بجے سے جلسہ گاہ میں پہنچنا شروع ہو گئے اور انتظامات میں ہاتھ بٹانے لگے۔ اکرم واسطی صاحب جان توڑ بھاگ دوڑ کر رہے تھے۔ دونوں گاڑیوں پر اعلان ہو رہا تھا۔ نماز مغرب سے پہلے تمام انتظامات مکمل ہو چکے تھے۔ مکتبہ لگایا جا چکا تھا۔ جلسہ گاہ میں شامیانوں کے گرداگرد ضروری حفاظتی انتظامات کے طور پر رفقاء کی ڈیوٹیاں لگا دی گئیں۔ مغرب اور عشاء کے درمیان انتظامات کو آخری شکل دے دی گئی۔ امیر محترم کے خطاب کا وقت بعد نماز عشاء پونے آٹھ بجے طے تھا۔ امیر محترم کے خطاب سے پیشتر راقم کو جلسے سے مختصر خطاب کرنا تھا لیکن وقت کم رہ جانے کے باعث اسے ملتوی کر دیا گیا۔

جلسے کی کارروائی ٹھیک پونے آٹھ بجے شروع کر دی گئی۔ تنظیم کے رفیق قاری محمد

ادریس عباسی صاحب نے تلاوت کی اور اس کے بعد امیر محترم کا خطاب شروع ہوا۔ جلسہ گاہ کا پنڈال بہت خوبصورت تھا۔ روشنی کا انتظام نہایت معقول تھا۔ اور پبلک ایڈریس سسٹم تو بہت ہی صاف اور متوازن تھا۔ چھ سو کرسیاں لگائی گئی تھیں لیکن حاضری الحمدللہ توقع سے کہیں زیادہ تھی۔ دریوں پر بھی جگہ نہیں رہی۔ بہت سے لوگ کھڑے ہو کر تقریر سن رہے تھے۔ اور ایک کثیر تعداد میں لوگ جگہ نہ ہونے کے باعث واپس چلے گئے۔ کیونکہ سردی کے باعث بغیر شامیانے کے کھڑا رہنا ممکن نہ تھا۔ اچھے ساؤنڈ سسٹم کے باعث بہت سے لوگوں نے قریبی ہوٹلوں میں بیٹھ کر تقریر سنی۔

خواتین کے لئے اگرچہ بندوبست نہ تھا۔ اس کے باوجود کچھ خواتین نے پارک کے ساتھ والے حصے میں بیٹھ کر امیر محترم کا خطاب سنا۔

اس جلسہ عام کا ایک خاص پہلو یہ بھی تھا کہ اس کے سامعین میں سنجیدہ طبقات کی طرف سے بھرپور شرکت ہوئی تھی۔ امیر محترم نے کھڑے ہو کر دو گھنٹے دس منٹ تک خطاب کیا۔ اور سامعین نے پوری توجہ سے اس خطاب کو سنا۔ آخر میں امیر محترم نے سامعین کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے نہایت پرسکون انداز میں پوری توجہ سے خطاب کو سنا۔ جلسے کے اختتام پر ہی سوال و جواب کی نشست کا اعلان کیا گیا جس کا انعقاد اگلے دن صبح دس بجے تنظیم اسلامی راولپنڈی اسلام آباد کے دفتر واقع I ۔B ۔44 سیٹلائٹ ٹاؤن میں ہونا تھا۔ آخر میں سامعین میں اسلام کا انقلابی منشور اور تنظیم اسلامی کے تعارف پر مبنی پمفلٹ بھی تقسیم کیا گیا۔ سوال و جواب کی نشست کے اعلان پر مشتمل ہینڈ بل بھی تقسیم کئے گئے جن پر دفتر کا پتہ درج تھا۔ اگلے دن صبح ۱۵ نومبر کو حسب اعلان سوال و جواب کی نشست منعقد ہوئی۔ یہ ایک بھرپور اور موثر نشست تھی۔ دوپہر کو امیر تنظیم سے "نوائے وقت" کے لئے ایک تفصیلی انٹرویو لیا گیا۔ امیر محترم نے کھل کر سوالات کے جوابات دیئے۔ اُسی روز جماعت اسلامی پارلیمانی پارٹی کے لیڈر جناب ڈاکٹر افضل اعزاز صاحب نے امیر محترم سے تفصیلی گفتگو کی اور موجودہ سیاسی صورت حال زیر بحث آئی۔

۱۵ نومبر ۹۰ء کو بعد نماز عصر جامع مسجد شیرزمان کالونی تلسہ روڈ لالہ زار غربی راولپنڈی میں راقم کی بیٹی کی تقریب نکاح منعقد ہوئی۔ اس موقع پر امیر محترم نے خطبہ نکاح سے قبل اپنے خطاب میں بے سروپا ہندوانہ رسوم کی بیخ کنی پر زور دیا اور اس ضمن میں اتباع سنت نبوی کی اہمیت پر روشنی ڈالی۔ آپ کے خطاب میں 'خطبۂ نکاح' کی تشریح بھی شامل تھی۔ چونکہ

رخصتی بھی مسجد سے ہوئی تھی۔ لہٰذا خواتین کے لئے علیحدہ باپردہ انتظام اور لاؤڈ سپیکر کا انتظام کیا گیا تھا۔ ایک سو سے زیادہ خواتین نے اس تقریب میں شرکت کی اور انتہائی اچھا اثر قبول کیا۔
مرد حضرات کی حاضری تین سو کے قریب تھی۔ اس تقریب سے علاقے کے لوگوں اور راقم کے رشتہ داروں میں دعوتی سطح پر ایک عملی پیش رفت میں مدد ملی ہے ــــــــــــ امیر محترم اسی رات واپس لاہور روانہ ہو گئے۔

راولپنڈی اسلام آباد میں امیر محترم کا اتنا لمبا قیام ۱۹۸۵ء کے بعد پہلی دفعہ ہوا ہے۔ یہاں کی اتنی شدید مصروفیت نے انہیں بہت زیادہ تھکا بھی دیا۔ اس سہ روزہ پروگرام کے دوران یہاں کے رفقاء بھی خاصے متحرک رہے۔ اور سب کی اجتماعی کوششوں سے ہی یہ سب کچھ ممکن ہو سکا۔ راولپنڈی اسلام آباد کے رفقاء اور نقباء کے ساتھ ساتھ میجر فتح محمد، ڈاکٹر عبدالخالق اور سید اکرم علی واسطی صاحب کی انتھک اور مسلسل کوشش اور محنت کا ذکر نہ کرنا انتہائی ناانصافی ہو گی۔

حقیقت یہ ہے کہ ہم سب نے جو کچھ اور جتنا کچھ بھی کیا اللہ کی توفیق کے بغیر ممکن نہ تھا۔ لہٰذا ہم سب اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ رب ذوالجلال ہماری حقیر سی کوششوں کو قبول فرمائے۔ آمین (مرتب = محمد نیاز مرزا)

بقیہ : افکار و آراء

ایک غیر متعلق بات ہے۔ محض معلومات کے لیے عرض کر رہا ہوں کہ اس سال پاکستان سے عمرہ کے لیے ۵۵ ہزار آدمی آئے ہیں (رمضان میں) دو لاکھ کی درخواست تھی حکومت انتظام نہیں کر سکی۔ فال نیک ہے۔

اس تعداد کی رسمی یعنی سرکاری تصدیق ابھی نہیں ہو سکی، ورنہ یوں افواہ تو ستّر ہزار تک ہے۔

والسلام علیکم و رحمۃ اللہ

محمد عبدالملک جامعی

امیر تنظیم اسلامی کے خطاباتِ جمعہ کے

پریس ریلیز

(۱)

لاہور، ۹ نومبر۔ امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا ہے کہ مجھے وزیر اعظم نواز شریف کا یہ بیان پڑھ کر بہت افسوس ہوا کہ "میں بنیاد پرست نہیں ہوں"۔ اُنہوں نے کہا کہ مغرب نے دین کے ساتھ ہماری وابستگی پر طنز کرنے کے لئے فنڈا منٹل ازم کی جو اصطلاح گھڑی ہے وہی ہمارا سرمایہ افتخار ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ اگر ہم دین کی بنیادوں کو چھوڑ دیں گے تو ہماری حیثیت جڑوں کے بغیر درخت کے اُس تنے کی ہو جائے گی جو صرف جلانے کے کام آسکتا ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ صنعتی ترقی ہمارے ملک کی اہم ضرورت ہے لیکن اس کے لئے ملی جلی معیشت کے ڈھانچے کو بدل کر مغرب کا سرمایہ دارانہ معاشی ڈھانچہ اختیار کرنا درست نہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہمارا آئیڈیل جاپان اور کوریا کی بجائے خلافتِ راشدہ کا وہ نظام ہے جس میں حکومت عوام کی بہبود کے لئے ذرائع و وسائل کو اپنے اختیار میں لے سکتی ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ اللہ نے اسلامی جمہوری اتحاد کو ایک بھرپور کامیابی عطا کی ہے۔ اسمبلیوں میں اپوزیشن کا وجود نہ ہونے کے برابر ہے اور فوج اور صدر مملکت دونوں اس کی پشت پر ہیں، لیکن یہ کامیابی ایک شدید آزمائش کی حیثیت بھی رکھتی ہے۔ اتحاد کے قائدین نے انتخابی مہم کے دوران میں اسلام پر عمل کرنے کے جو بلند بانگ دعوے کئے تھے اب انہیں پورا کرنے کا وقت آگیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ انتخابی نتائج اتنے حیران کن تھے کہ پیپلز پارٹی اب تک صدمے اور سکتے کی کیفیت سے نجات نہیں پاسکی، لیکن اگر اتحاد کی حکومتیں عوام کو اُن کے سیاسی اور معاشی حقوق دینے میں ناکام رہیں تو پیپلز پارٹی اپنے پرانے نعروں کے ساتھ زیادہ بڑی قوت بن کر ابھرے گی۔ تنظیم اسلامی کے امیر نے کہا کہ قیام پاکستان کے وقت مسلم لیگ کی قیادت بغیر کسی رکاوٹ کے اسلام نافذ کر سکتی تھی لیکن اُس نے یہ موقع گنوا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس جرم کی سزا پچیس سال بعد سقوطِ مشرقی پاکستان کی صورت میں دی۔ اب پھر مسلم لیگ کو اس ملک میں اسلام نافذ کرنے کا ویسا ہی موقع ملا ہے کیونکہ اسلامی جمہوری اتحاد کی سب سے بڑی جماعت اور کارفرما قوت مسلم لیگ ہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ جب موجودہ حکومت کے پانچ

سال پورے ہوں گے اُس وقت سقوطِ مشرقی پاکستان کے بعد ہماری مہلتِ عمل کے اگلے پچیس سال بھی پورے ہو چکے ہوں گے ۔ ان پانچ برسوں میں اگر ہم نے اسلام کے عدل اجتماعی کو نافذ کرنے کی کوشش نہ کی تو ہمیں سقوطِ مشرقی پاکستان سے زیادہ بڑی سزا مل سکتی ہے ۔ اُنہوں نے نئی حکومت کو مشورہ دیا کہ اسلام کی سماجی اور معاشرتی اقدار کے تحفظ اور فروغ کا کام فوراً شروع کیا جائے ' علماء کرام کے مشورے سے ریڈیو اور ٹیلیویژن کے پروگراموں کو غیر اسلامی اجزاء سے پاک کیا جائے اور اِن سے اسلام کی معاشرتی اقدار کے فروغ کا کام لیا جائے ۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ حکومت اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے آزاد اخبارات و رسائل کو بھی عریانی و فحاشی کی ترویج و اشاعت سے باز رکھ سکتی ہے ۔ اُنہوں نے کہا کہ نظام میں دور رس تبدیلی کو ممکن بنانے اور نئی نسل کی تربیت کے لئے نظام تعلیم کی اصلاح بہت ضروری ہے ۔ ہمارے ہاں دینی تعلیم اور جدید تعلیم کے دو الگ الگ نظام بالکل متوازی انداز میں چل رہے ہیں اس دو رنگی کو ختم کئے بغیر اسلامی نظام کی تعمیر ممکن نہیں ۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ نظام تعلیم کی دوسری تقسیم امیر اور غریب کی بنیاد پر ہے ۔ اسلام میں اس کی بھی کوئی گنجائش نہیں ۔ بچہ امیر کا ہو یا غریب کا وہ قوم کا مشترک سرمایہ ہے ۔ ہمارا نظامِ تعلیم ایسا ہونا چاہئے ' جس سے امیر اور غریب سب کو آگے بڑھنے کے یکساں مواقع میسر آئیں ۔ انہوں نے کہا کہ مشنری تعلیمی اداروں میں صرف عیسائیوں کو تعلیم حاصل کرنے کی اجازت ہونی چاہئے ' مسلمان بچوں کا ان اداروں میں داخلہ ممنوع قرار دیا جائے ۔

(۲)

لاہور ' ۲۹ نومبر ۔ امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا ہے کہ نگران حکومت نے اپنی کھال بچالی ورنہ خلیج کی صورت حال کی وجہ سے تیل کی قیمتوں میں اضافہ ناگزیر تھا ' اب نئی حکومت کو اس چیلنج کا سامنا کرنا ہے ۔ اُنہوں نے کہا کہ آنے والے چند دنوں میں تیل کی قیمتوں میں اس اضافے کے باعث ہر شے کی قیمت بڑھے گی ۔ اور اپوزیشن مہنگائی کی اس لہر سے بھرپور سیاسی فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے گی ۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ مغربی جمہوریت میں اپوزیشن کا یہی کردار ہوتا ہے اور ہمارے ملک میں بھی آج تک ہر اپوزیشن نے یہی کردار ادا کیا ہے ۔ تنظیم اسلامی کے امیر نے کہا کہ اسلامی جمہوری اتحاد نے اسلام کے نام پر ووٹ لے کر حکومت حاصل کی اور اب بھی اسلام کی طرف واقعی اور نظر آنے والی پیش رفت کے ذریعے ہی عوام سے تعاون حاصل کر سکتی ہے جو بے شمار داخلی و خارجی مسائل کا مقابلہ کرنے کے لئے

آسے درکا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے ملک میں واحد قوتِ محرکہ اسلام ہے ورنہ قومی' لسانی اور علاقائی عصبیتیں جو دنیا کے بہت سے ملکوں کو متحد کرنے کا ذریعہ بنتی ہیں ہمارے ہاں الٹا تقسیم در تقسیم ہی کر سکتی ہیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ اگر عوام کو یہ محسوس ہوا کہ حکومت کا رخ واقعی نفاذِ اسلام کی طرف ہے تو وہ ہر قربانی دینے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔ باغ جناح میں نماز جمعہ کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ فی الحال حکومت کا رخ نفاذِ اسلام کی طرف محسوس نہیں ہوتا' مغربی تہذیب و تمدن کی وہی بالا دستی چل رہی ہے جو پہلے تھی۔ اسمبلی میں خواتین کی نشستوں کی بحالی کے لئے دستور میں ترمیم کا اعلان کر دیا گیا ہے۔ دوسری طرف ائر ہوسٹس کا سلسلہ ختم کرنے کی بجائے راول ایکسپریس میں ریل ہوسٹس کا ایک نیا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ یہ دونوں اقدامات اسلامی تعلیمات کے منافی ہیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ اگر مذہبی جماعتیں انہیں اور اس طرح کے دوسرے دینی مسائل کو بنیاد بنا کر مولانا شبیر احمد عثمانی رحمت اللہ علیہ کی طرح اسمبلی سے باہر آکر تحریک چلانے کی دھمکی دیں اور اس پر عمل کے لئے بھی تیار ہوں تو موجودہ حکومت کو نفاذِ اسلام کی راہ اختیار کرنے پر مجبور کیا جاسکتا ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ سیکولر نظریات کے علمبرداروں کو اسمبلیوں میں اتنی اکثریت حاصل ہے کہ ساری مذہبی جماعتیں مل کر بھی اسمبلی کے اندر اپنی تعداد کے بل پر اُن سے کوئی مطالبہ منوانے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ اگر مذہبی جماعتوں کے ارکان اسمبلیوں میں بیٹھ کر شور مچاتے رہے اور اخباری بیان دیتے رہے تو ہر خلافِ اسلام کارروائی میں شریک سمجھے جائیں گے۔ قصاص و دیت آرڈی ننس کے خلاف ڈرائیوروں کی ہڑتال پر تبصرہ کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اِس سلسلے میں جو بحث ہوئی اُس میں عموماً سب کی ہمدردیاں جرم کرنے والوں کے ساتھ تھیں' کسی کو اُن بے گناہ مرنے والوں کا خیال نہیں آیا جن کی موت سے ہر سال ہزاروں بچے یتیم ہوتے ہیں' سینکڑوں عورتیں بیوہ ہو جاتی ہیں اور نہ جانے کتنے بوڑھے والدین اپنے بڑھاپے کے سہارے سے محروم ہو جاتے ہیں۔ انہوں نے کہا اسلام نے اِس طرح بے گناہ مارے جانے والوں کے لواحقین کے لئے دیت کی صورت میں فوری دلجوئی کا ایک سامان کیا ہے۔ اگر یہ قانون نافذ ہو جائے تو اِس سے معاشرے کو ہر حال میں خیر حاصل ہوگا کیونکہ اللہ کے رسول کا فرمان ہے کہ اللہ کی ایک حد کا قائم ہونا بھی چالیس دن رات کی بارش سے زیادہ برکت کا باعث ہوتا ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ اسلامی نظریاتی کونسل کے مسودے میں عاقلہ کی شق شامل تھی جس کی رو سے دیت کی ادائیگی کا بوجھ صرف ڈرائیور پر نہ پڑتا لیکن وزارتِ قانون میں بیٹھے

ہوئے لوگوں نے آرڈی ننس تیار کرتے ہوئے اس شق کو نکال دیا۔ انہوں نے کہا کہ نکالنے والوں نے جان بوجھ کر شرارت نہیں کی تو انہیں یہ خبر نہیں تھی کہ جس شے کو وہ کنکر سمجھ کر باہر پھینک رہے ہیں وہی اصل ہیرا اور اس قانون کی روح ہے۔

(۳)

لاہور، ۲۳ نومبر۔ سوشلزم آج بھی نوعِ انسانی کے دلوں میں بستا ہے۔ روس اور مشرقی یورپ میں کیمونزم کی موت سے ہمیں اِس خوش فہمی کا شکار نہیں ہونا چاہئے کہ سوشلزم بھی اپنی موت مرچکا۔ لاطینی امریکہ کے ممالک اور چین جیسی دنیا کی سب سے بڑی مملکت میں تو ابھی کیمونزم بھی زندہ ہے۔ ان خیالات کا اظہار امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے باغ جناح میں نماز جمعہ کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔ انہوں نے کہا کہ تیسری دنیا کے ممالک میں غریب اور امیر کے درمیان بڑھتے ہوئے فرق اور طبقاتی تقسیم کو دور کرنے کی کوشش نہ کی گئی تو سوشلزم آج بھی ان ممالک میں انقلابی نظریہ بن کر ابھر سکتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ میرا یہ عقیدہ ہے کہ اسلام ایک مکمل نظام زندگی ہے جس کی بنیاد ایمان پر رکھی گئی ہے۔ اس میں نہ کسی دوسرے نظریے اور نظام کا پیوند لگایا جاسکتا ہے اور نہ کسی دوسرے نظریے اور نظام میں اس کا پیوند لگایا جاسکتا ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ اسلامی سوشلزم اور اسلامی جمہوریت کی اصطلاحیں لوگوں کو بات سمجھانے کے لئے استعمال کی جاتی ہیں، اگرچہ اصولی طور پر صحیح طرزِ عمل یہی ہے کہ ایسے الفاظ کے استعمال سے پرہیز کیا جائے۔ انہوں نے کہا کہ علمائے کرام اور اُن کے زیرِ اثر دینی طبقہ اسلامی سوشلزم کے لفظ سے الرجک ہے حالانکہ اگر "اسلامی جمہوریت" کا کہنا درست ہے تو پھر "اسلامی سوشلزم" کہنے میں کیا قباحت ہے۔ انہوں نے کہا کہ جمہوریت سیاسی اقتدار اور سیاسی حقوق کی سوشلائزیشن ہے اور سوشلزم ذرائع پیداوار اور دولت کی سوشلائزیشن ہے۔ مغرب نے سیاسی اور معاشی حقوق کی تقسیم کے یہ دونوں نظریات اُسی نظام سے اخذ کئے ہیں جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو سال قبل عرب کی بے آب و گیاہ سرزمین میں نافذ کرکے دکھایا تھا۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ نظام حکومت میں عوام کی شراکت کے ساتھ عوام کے اقتدار اعلیٰ کی بجائے اللہ کے اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کرلیا جائے تو یہ اسلامی جمہوریت بن جاتی ہے اور اسی طرح اگر سود اور جوئے کو ختم کرکے فرد کے حق ملکیت اور کفالت عامہ کے اسلامی تصور کو تسلیم کرتے ہوئے حکومت کو بڑی بڑی صنعتیں لگانے کا اختیار دے دیا جائے تو یہ اسلامی

سوشلزم بن جاتا ہے ۔ انہوں نے کہا کہ حضرت عمرؓ نے عراق اور شام کی زرعی زمینیں نجی ملکیت میں دینے کی بجائے سرکاری ملکیت میں لے کر آخر اسلام پر ہی تو عمل کیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ ہمارا آئیڈیل نہ سکنڈے نیویا کا سوشلزم ہے ' نہ کوریا اور جاپان کی مادر پدر آزاد سرمایہ داری ہے اور نہ سعودی عرب میں نافذ شدہ "اسلام"۔ ہمارا آئیڈیل تو خلافت راشدہ کا وہ نظام ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے برپا کیے ہوئے اسلامی انقلاب کے نتیجے میں قائم ہوا۔